تصوّف کیا ہے ؟

تصوف کی اصطلاح کے سلسلے میں علماءِ دین ، لسانیات کے ماہرین اور فلسفہ تصوّف کے عاملین و قائلین بہت کچھ کہتے اور لکھتے چلے آئے ہیں ۔ شیخ علی ہجویری کی شہرۂ آفاق فارسی تصنیف "کشف المحجوب" میں یہ جملہ موجود ہے :

"مردماں اندر تحقیق ایں اسم بسیار سخن گفتہ اند ،
و کتب ساختہ " [1]

ترجمہ : لوگوں نے اس لفظ (تصوّف) کی حقیقت کے بارے میں بہت
باتیں کہی ہیں اور کتابیں تصنیف کی ہیں ۔

تصوّف کے کئی مادۂ اشتقاق عربی اور فارسی کی کتابوں میں ہماری نظروں سے گزرتے ہیں ، چنانچہ ہر لفظ کی اپنی مخصوص اور منفرد معنویت محسوس ہوتی ہے

---

1 شیخ علی ہجویری ـــــ کشف المحجوب ـــ ص 22 ۔ مطبوعہ لاہور

اس لفظ کی اصل کے بارے میں جتنے بھی مادے کتابوں میں درج ہوچکے ہیں انکو خلیق احمد نظامی نے ایک ترتیب کے ساتھ یوں پیش کیا ہے :

(1) صفا ـــ بمعنی صفائی و پاکیزگی قلب

(2) اہل صفتہ ـــ رسول اکرم کے زمانے میں کچھ بزرگ جو عبادت میں مشغول رہتے تھے -

(3) صف ـــ وہ لوگ جو ہمیشہ صف اوّل میں نماز ادا کرنے کی کوشش کرتے تھے -

(4) صوفہ ـــ ایک قدیم قبیلہ کا نام جو کعبہ کا خادم تھا -

(5) صفوت الصفا ـــ ندی پر جو بال ہوتے ہیں -

(6) پتھوصوفیا ـــ یونانی لفظ جس کے معنی حکمت الاھی کے ہیں -

(7) صوفانہ ـــ ایک قسم کا پودا

(8) صوف ـــ پشمینہ یا اون [1]

تصوف کی تعریف اور اصل • مختلف علوم و فنون میں اصطلاحات کا ہونا ایک لازمی امر ہے - جہاں تک تصوف کی اصطلاح کا تعلق ہے اس بارے میں چند مشاہیر علماء کی آرا پیش کی جاتی ہیں - عالم اسلام کے مشہور مفکر حضرت امام غزالی رحمہ فرماتے ہیں :

ثمّ انی فرغت من ھذا العلوم اقبلت بھمتی علی طریق الصوفیہ - وعلمت ان طریقھم انما تتم بعلم و عمل و کان حاصل علمھم قطع عقبات النفس و التنزہ عن اخلاقھا المذمومہ و صفاتھا الخبیثہ حتی یتوصل بھا الی تخلیہ القلب عن غیر اللہ تعالی و تحلیہ بذکر اللہ [2]

---

1 خلیق احمد نظامی ـــ تاریخ مشائخ چشت ـــ ص 17 ناشر مکتبہ عارفین
2 امام محمد غزالی ـــ المنقذ من الضلال جاب القول فی طریق الصوفیہ

ترجمہ: جب میں ان علوم سے فارغ ہوکر صوفیہ کے طریقہ کی طرف متوجہ ہوا ،
تو مجھے معلوم ہوا کہ ان کا طریقہ علم و عمل سے تکمیل کو پہنچتا ہے۔
ان کے علم کا حاصل نفس کی گھاٹیوں کا قطع کرنا برے اخلاق اور
ناپاک اوصاف سے پاک و منزہ ہونا ہے ، تاکہ اس کے ذریعے دل کو
غیر اللہ سے خالی کیا جائے اور اس کو ذکر الٰہی سے آراستہ کیا جائے ۔

شیخ الاسلام زکریا انصاری نے تصوف کی تعریف بیان کرتے ہوئے لکھا ہے :

التصوف ہو علم تعرف بہ احوال تزکیۃ النفوس و تصفیۃ الاخلاق
و تعمیر الظاہر و الباطن ، لنیل السعادۃ الابدیہ ، موضوعہ
التزکیہ و التصفیہ و التعمیر و غایۃ نیل السعادۃ [1]

ترجمہ: تصوف وہ علم ہے جس سے تزکیۂ نفس ، تصفیہ اخلاق ، تعمیر ظاہر و باطن
کا علم ہوتا ہے ، تاکہ ابدی سعادت حاصل کی جاسکے ۔ اس کا "موضوع"
بھی تزکیۂ و تصفیہ اخلاق اور تعمیر ظاہر و باطن ہے اور اسکی غایت
سعادت ابدی کا حاصل کرنا ہے ۔

حضرت شیخ سید عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں :

الصوفی من کان صافیاً من آفات النفس خالیاً من مذموماتہا سالکاً
بحمیدہ مذہبہ ملازماً للحقائق غیر ساکن بقلبہ الی احد من الخلائق [2]

ترجمہ: صوفی وہ شخص ہے جس کو حق تعالیٰ نے صاف کرلیا ہو ۔ یعنی جو شخص نفس
کی آفتوں اور برائیوں سے صاف ہو اور نیک راستہ پر چلے اور اس کا دل بجز اللہ
کے اور کسی چیز سے آرام نہ پائے ۔

---

1 اقتباس منقول از قرآن اور تصوف ۔ ص 11 ۔ مصنف ڈاکٹر میر ولی الدین
2 سید عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ ۔ غنیۃ الطالبین (اقتباس ماخوذ از مقامات تصوف ۔ ص 27
مصنف مولانا اسمٰعیل سنبھلی ۔ ناشر تاج کمپنی بمبئی

عبدالماجد دریا آبادی نے رسالۂ قشیریہ سے یہ اقتباس اخذ کیا ہے :

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے کے معاصر مسلمان کے لئے سب سے زیادہ پر فخر و افضل لقب صحابی کا ہوسکتا ہے ۔ چنانچہ اسی لقب سے اسوقت کے افاضل موسوم ہوئے ۔ اس کے بعد جب دوسری نسل پیدا ہوئی تو ان صحابہ کے لئے تابعین کی اصطلاح چلی اور انکی آنکھیں دیکھنے والے تبع تابعین کہلائے ۔ اس کے بعد جب قوم زیادہ پھیلی اور طرح طرح کے لوگ پیدا ہونے لگے ، تو جن لوگوں کو امور دینی میں زیادہ غلو و انہماک ہوا ، انہیں زہاد و عباد کہا جانے لگا ، لیکن جب بدعتوں کا ظہور ہوا اور فرقہ فرقہ الگ ہوگئے تو ہر فرقہ مدعی بن بیٹھا کہ زہاد و عباد انہیں میں ہیں ۔ اسوقت اہل سنت کے صفۂ خاص نے جو ذکر الٰہی میں مشغول اور غفلتوں سے دور رہتا تھا ، اپنے لئے "اہل تصوف" کی اصطلاح قائم کی اور ہجرت کو ابھی دو صدیاں نہیں ہوئی تھیں کہ یہ لقب اس طبقۂ خاص کے اکابر کے لئے مخصوص ہوگیا ۔" [1]

مولانا سعید احمد اکبر آبادی تصوف کی تعریف کرتے ہوئے اپنے ایک مضمون "اقبال اور تصوف" میں لکھتے ہیں :

"تصوف کی تعریف اور اصل حقیقت ہے تزکیۂ نفس اور تجلیۂ باطن کرکے ایسا پاک و صاف اور روحانی کمالات اور اخلاقی اعتبار سے ایسا بن جانا کہ دل عشق الٰہی کا گہوارہ ہو ، اور اسکی وجہ سے وہ سراپا سوز و گداز اور ہمہ تن جذب و شوق ہو ۔ اسکا ہر عمل تقرب الٰہی کے لئے ہو ،

---

1 عبدالماجد دریا آبادی ـــــ تصوف اسلام ـــــ ص 56 (رسالۂ قشیریہ ـــــ ص 7 ـ 8)

اسکی نیت میں خلوص اور اسکے ارادوں میں عزم و بلند نظری ہو ۔ اسکو خواہشات نفس پر کنٹرول اور اقتدار و اختیار ہو ۔ اور وہ ان کا تابع اور غلام نہ ہو —

جب ایک انسان میں یہ صفات و کمالات پیدا ہو جاتے ہیں ۔ تو وہ اخلاق فاضلہ سے آراستہ و پیراستہ اور اخلاق رذیلہ سے پاک و صاف ہو کر اس عالم کے لئے سراپا محبت و غمگسار بن جاتا ہے ۔ اور خلق خدا کی خدمت اسکا شعار اور وظیفہ حیات ہو جاتی ہے ۔"[1]

مشہور مستشرقہ انا میری شمل تصوف کی تعریف میں اپنا نقطہ نظر بیان کرتے ہوئے لکھتی ہیں ۔

"Mysticism can be defined as love of the absolute ______ for the power that separates true mysticism from mere asceticism is love. Divine love makes the seeker capable of bearing, even enjoying , all the pains and afflictions that God showers upon him in order to test him and to purify his soul."[2]

تاریخی جائزہ

اوپر کی آرا سے تصوف کی تعریف سامنے آگئی ۔ لیکن سوال یہ پیدا ہو جاتا

---

1 سعید احمد اکبر آبادی — اقبال اور تصوف — ص ۱ ۔ مرتب آل احمد سرور
اقبال انسٹی ٹیوٹ کشمیر یونیورسٹی

2 Annemarie Shimmel ____ Mystical dimensions of Islam P. 4
Publisho by university of North Carolina press Chapel Hill.

ہے کہ تصوف کی تاریخ کہاں سے شروع ہو جاتی ہے ؟ ۔کیا پیغمبر اسلام ﷺ کے زمانہ میں اسکی ابتدا ہوئی یا خلفا اربعہ کے زمانے میں یا ان کے بعد ؟ جہاں تک کتب تاریخ و سیر کا تعلق ہے ان میں درج ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنی تیئیس سالہ نبوی زندگی میں ایک ایسے معاشرے کی تشکیل و تکمیل کی جس کے افراد اپنی انفرادی اور اجتماعی زندگی قرآن اور سنت رسول ﷺ کے مطابق بسر کرتے رہے ۔اس معاشرے کی حیات اجتماعی میں اسلام نے جو حیران کن تبدیلی برپا کی اسکی مثال تاریخ انسانی میں ملنی محال ہے۔ ایسے انسان جو اخلاقی بے راہ روی ، سیاسی افراتفری اور اقتصادی بدحالی میں مبتلا تھے ، جو اپنی بیٹیوں کو زندہ دفن کرنے میں کوئی عار نہیں سمجھتے تھے ، جو شراب نوشی ، قمار بازی ، عیاشی ، اور شعر و شاعری کی محفلوں کی شب و روز زینت بنے رہتے تھے اور جن کی زندگی کا ہر پہلو تہذیب و تمدن کے چہرے پر بدنما داغ بنا ہوا تھا ، اسلام کے حیات بخش نظام کی بدولت ایک صالح انقلاب سے دو چار ہوگئے :

از دم سیراب آں امی لقب
لالہ رست از ریگ صحرائے عرب
او دلے در پیکر آدم نہاد
او نقاب از چہرۂ فطرت کشاد [1]

پیغمبر اسلام ﷺ نے جو نظام رائج کیا وہ کلی طور مساوات ، مواخات اور انسانی برادری کے عالمگیر نظریات پر مبنی تھا ، بیت المال مسلمانوں کی مشترکہ میراث تھی ، چنانچہ اپنے آخری حج جسے " حجتہ الوداع " کے نام سے یاد کیا جاتا ہے ، محمد صلی اللہ علیہ وسلم ایک اونٹنی (قصویٰ) پر سوار ہو کر ایک بہت بڑے اجتماع سے مخاطب ہوئے اور فرمایا۔

---

1 محمد اقبال ـــــ کلیات فارسی

"دیکھو میرے بعد گمراہ نہ ہو جانا ، کہ باہم ایک دوسرے کی
گردن مارنے لگو ۔ جس طرح تمہارے حقوق عورتوں پر ہیں اسی
طرح عورتوں کے حقوق تمہارے اوپر ہیں ۔ ان کے ساتھ نرمی
کرنا ، اور مہربانی سے پیش آنا ۔ اللہ سے ڈر کر ان کے حقوق
کا لحاظ رکھنا غلاموں کے ساتھ اچھا سلوک کرنا ۔۔۔ نہ عربی کو
عجمی پر فضیلت ہے ، نہ عجمی کو عربی پر ، ہم سب آدم کی اولاد
ہو اور آدم خاک سے بنے تھے ، میں نے تمہارے درمیان ایک
چیز چھوڑی ہے ، جسکو اگر تم مضبوط پکڑو گے ، تو میرے بعد گمراہ
نہ ہوگے ۔۔ یاد رکھو وہ ہے قرآن کو ، عمل میں خلوص ، مسلمان
بھائیوں کی خیر خواہی اور جماعت میں اتحاد ، یہ تین باتیں
ایسی ہیں ، جو سینہ کو پاک رکھتی ہیں ۔" [1]

رسول اللہ کی یہ حیات آفرین روز بہترین تعلیمات خلافت راشدہ تک اپنی پوری آب و تاب کے ساتھ نافذ اور رہنمائی کا ذریعہ بنی رہیں لیکن جب اقتدار و اختیار پر گرفت حاصل کرنے کا خیال غالب ہوتا گیا ، تو نتیجہ یہ نکلا کہ خلافت راشدہ کے خوبصورت نقوش مٹتے گئے ، خلافت کے فوائد کم ہونے لگے اور اس طرح ملوکیت کے منحوس سائے ملت کے اوپر منڈلانے لگے ۔ اختلافات نے زور پکڑنا شروع کیا ، جزئی و فروعی معاملات پر جھگڑے ہونے لگے ، خدا خوفی ، تقویٰ شعاری اور آخرت پسندی کے بجائے اقتدار ، مادیت اور دولت و ثروت کے حصول کی تمنائیں دلوں میں گھر کرنے لگیں ۔ حجاج بن یوسف ثقفی

1 خلیق احمد نظامی ۔۔۔ تاریخ مشائخ چشت ۔۔ ص ۵۲ ۔ مکتبہ عارفین ، کراچی

کے مظالم سے علما و اصفیاؒ تنگ آئے اور اس وقت کے مشہور بزرگ حضرت حسن بصریؒ گیارہ سال تک گوشہ گیر رہے ۔ اور جب اس ظالم کے مرنے کی خبر سنی تو سجدہ میں گر پڑے اور کہا

"اللّٰھم انّی اخافک واخاف من لا یخافک"[1]

ترجمہ :-

اے اللہ میں تجھ سے ڈرتا ہوں ۔ اور اس سے ڈرتا ہوں ۔ جو تجھ سے نہیں ڈرتا ۔

۶۱ھ میں کربلا کا دلخراش واقعہ رونما ہوا ۔ اس سانحے کی اطلاع جب دور دراز علاقوں تک جا پہنچی ۔ تو نتیجے کے طور گروہ بندیوں اور انتقام گیریوں کا سلسلہ شروع ہوگیا ۔ اہل بیت رسول ﷺ کے غم میں ہزاروں گھرانے خون کے آنسو بہاتے رہے۔ اس سانحے نے بڑی حد تک ملی وحدت کو منتشر کر کے رکھ دیا ۔ اور اموی خاندان کے خلاف انتقام کی آگ اندر ہی اندر بھڑکتی رہی ۔

خلافت راشدہ اور سانحۂ کربلا کے بعد اور جو دوسرے واقعات ظہور پذیر ہوئے ان حالات میں اللہ تعالیٰ نے امت میں ایسے علماؒ اور صوفیہ کا ایک گروہ پیدا کیا جس نے ملت کی شیرازہ بندی کرنے ۔ اخوت اسلامی کے جذبے کو عام کرنے ۔ اور اختلافات میں اعتدال کی راہ ڈھونڈ نکالنے کی کوشش کی ۔ اس گروہ کے سامنے دیگر امور کے علاوہ لوگوں میں تزکیۂ نفس کا عمل جاری کرنا مقدم تھا ۔

1 شیخ حمید الدین ناگوری ـــــ سرور الصدور

صوفیائے متقدمین

صوفیہ کے طبقہ اول کا زمانہ 661 ھ سے 150 ھ تک مقرر کیا گیا ہے۔ اس میں حضرت اویس قرنی ، حضرت حسن بصری ، حضرت مالک دینار ، حضرت رابعہ بصریہ ، حضرت محمد واسع ، حضرت حبیب عجمی ، حضرت فضیل بن عیاض اور حضرت ابراہیم ادہم رحمہم اللہ شامل ہیں۔ اس پہلے گروہ صوفیہ پر " خشیت خداوندی کا بہت غلبہ رہتا تھا ۔ وہ توبہ و استغفار پر زور دیا کرتے تھے ۔ دنیا کی اس زندگی کو عارضی اور کھیل تماشہ سمجھتے تھے ، عیش و عشرت سے اجتناب کرتے اور اپنا زیادہ وقت ذکر الہٰی میں صرف کرتے تھے ۔ یہاں ایک غلط فہمی بھی پیدا ہو سکتی ہے کہ کیا مشایخ و صوفیہ اسلام سہولیات زندگی سے متمتع ہونے سے روکتے ہیں ؟ نہیں ! دراصل اسلام افراط و تفریط میں مبتلا ہونے سے فرد اور جماعت کو متنبہ کرتا ہے ، اور دنیا کی اس ظاہری چمک دمک اور عیش و عشرت میں گم ہو جانے سے منع کرتا ہے ۔ آخرت کی زندگی کو عیش و عاقبت قرار دیکر قرآن نہایت ہی واضح الفاظ میں بیان کرتا ہے ۔

وما ھٰذہ الحیٰوۃ الدنیا الا لھو ولعب ۔ وان الدار الاخرۃ [1]
لھی الحیوان ۱

ترجمہ :- اور یہ دنیا کی زندگی کیا ہے ؟ سوائے لہو و لعب کے ۔ اور بے شک آخرت کی ہی زندگی پائیدار ہے ۔ کاش تم لوگ یہ سمجھ پاتے ۔

اس دور کے صوفیہ کرام نے حکومت وقت کے ساتھ کبھی بھی نزدیکی روابط اور مراسم قائم نہیں کئے ۔ کیونکہ نزدیکی اور قربت کے نتیجے میں انہیں حکمرانوں کے ہر غلط سلط

1 سورۃ العنکبوت آیت نمبر ۶۴

کو درست قرار دینا تھا ۔ جیساکہ کئی ادوار میں ہوا ہے ۔ یہ حضرات بادشاہوں کو انکی غلط روش پر برملا ٹوکتے اور نتائج سے بے نیاز ہوکر کلمۂ حق ادا کرتے تھے ۔ ان کے نزدیک سب سے اہم کام لوگوں کے اخلاق درست کرنا ، اور انکی زندگیوں میں پاکیزگی اور تقویٰ شعاری لانا تھا ۔ وہ یہ بات اچھی طرح جانتے تھے کہ نبی کریم ؐ نے اپنی بعثت کا مقصد بیان کرتے ہوئے فرمایا ہے :

" بعثت لاتمم مکارم الاخلاق "

ترجمہ : مجھے اخلاق کی خوبیوں کو پورا کرنے کےلئے بھیجا گیا ہے ۔

صوفیاکرام کا دوسرا گروہ اس وقت سامنے آگیا ، جب یونان کے عقلیت پسند فلسفے نے شریعت اسلامیہ کی بنیادوں کو متاثر کرنے کی کوشش کی ۔ بہت سارے علماء اس فلسفے کی شیرینی اور اسکی آفرینی کے فریب میں آچکے تھے اور ایک آزاد خیالی نے روپ دھارنا شروع کیا تھا ۔ اسلام ہر قسم کی آزاد خیالی کے خلاف ہے اور وہ شتر بے مہار بنکر انسان کو زندہ رہنے سے ممانعت کرتا ہے اور اسکو ایک قاعدے اور ضابطے کے تحت لاکر اسکی ذہنی ، فکری ، اصلاحی ، اخلاقی اور معاشرتی رہنمائی کے خوبصورت اصول و قوانین فراہم کرتا ہے اور انہیں کے مطابق زندگی کو بنانے اور سنوارنے کی ترغیب دیتا ہے ۔ فلسفۂ یونان کی گرم بازاری کا آغاز اسی وقت سے شروع ہوا جب ہارون الرشید نے بغداد میں ایک " بیت الحکمت " قائم کیا ، جس میں غیر زبانوں کو عربی میں ترجمہ کرانے کا انتظام کیا گیا ۔ مامون الرشید نے قیصر روم کو خط لکھا کہ ارسطو کی جسقدر کتابیں مل سکیں ، وہ بغداد بھیج دی جائیں ۔ قیصر نے کافی تلاش و جستجو کے بعد ایک بڑے ذخیرے کا پتہ لگایا ، لیکن بھیجنے میں ذرا تامل کیا اور ارکان دولت سے مشورہ کیا کہ

کیا کتابیں بغداد روانہ کی جائیں یا نہیں ؟ انہوں نے ایک زبان ہوکر کہا

" کچھ مضائقہ نہیں ۔ فلسفہ اگر مسلمانوں میں پھیلا تو ان کے مذہبی جوش کو بھی ٹھنڈا کرکے رکھے گا ۔ "[1]

چنانچہ پانچ اونٹ لادکر فلسفہ کی کتابیں مامون کے پاس بھیج دی گئیں ۔ " مامون نے یعقوب بن اسحاق کندی کو ترجمے پر مامور کیا ۔ "[2] مسلمان فلسفے کی کتابیں پڑھکر جو اب انکی اپنی زبان عربی میں تھیں ، اسلام کے اصول و مبادیات کی حقانیت پر شک و شبہ میں پڑنے لگے ، قرآن شریف کی عجیب و غریب تاویلات ہونے لگیں ، آخرت ، جو عقائد اسلام میں بنیادی حیثیت رکھتا ہے اور جس پر اسلامی عبادات و معاملات کا انحصار ہے اسپر عقل و وجدان کے نقطۂ نظر سے باتیں ہونے لگیں ، جنت و جہنم ، ملائکہ ، انبیاء کے معجزات ، واقعۂ معراج ، غرض ہر چیز کے بارے میں شکوک و شبہات پیدا ہونے لگے اور

ع   در حرم خطرے از بغاوت خرد است

والا معاملہ اپنی انتہا کو پہنچنے لگا ۔ ان حالات میں اللہ تعالیٰ نے اس خطرے سے " حرم " کو محفوظ رکھنے کے لئے ایسے مخلص اور پاکباز بندے پیدا کئے ، جنہوں نے اس نام نہاد عقلیت وضعیت ، آزادی اور آزاد خیالی کا توڑ کیا ، جو فلسفۂ یونان کے اثرات کی وجہ سے عام ہونے لگی تھی ۔ حضرت بایزید بسطامی ، حضرت معروف کرخی ، حضرت سری سقطی حضرت ذوالنون مصری ، رحمہم اللہ وہ معروف نام ہیں ، جنہوں نے سیلاب عقلیت پر روک لگانے کی موثر کوششیں کیں ، جو سیلاب مامون کے دربار سے نکلا تھا اور جس نے

---

1   شبلی نعمانی ـــــ المامون ـــ حصہ دوم ـــ ص 77 (طبع سوم آگرہ)

2   خلیق احمد نظامی ـــــ تاریخ مشایخ چشت ـــــ ص 86 مکتبہ عارفین

پورے بغداد کو اپنی لپیٹ میں لے لیا تھا ۔ یہ صوفیا محبت الٰہی میں غرق رہتے تھے ۔ اور جو لوگ ان کے دائرہ اثر میں آگئے وہ اعتدال عقلیت اور تشکیک سے نکل کر سچے اور اچھے مسلمان کی حیثیت سے زندہ رہنے کی کوشش میں مصروف ہوگئے ۔ بایزید بسطامی نے اپنی کرامات کے ذریعہ سے ان لوگوں کی ذہنی تبدیلی میں بڑا حصّہ ادا کیا ۔ جو فلسفے کی گتھیوں میں گرفتار ہو چکے تھے ۔ حضرت شیخ فرید الدین عطار انکے بارے میں لکھتے ہیں :

"انکی ریاضات و کرامات بہت تھیں ۔ اسرار و حقائق میں نظر ثاقب وجد بلیغ رکھتے تھے ہمیشہ مقام قرب و ہیبت میں تھے اور آتش محبت میں غرق تھے ۔ برابر تن کو مجاہدہ میں اور دل کو مشاہدہ میں رکھتے تھے ۔" [1]

حضرت معروف کرخی رحؒ نے استغراق پر بے حد زور دیا اور حضرت سری سقطی رحؒ نے عقیدہ توحید پر راسخ یقین پیدا کرنے کی تلقین کی ۔ انہوں نے اپنے معتقدوں سے فرمایا کہ عقل کی زنجیروں میں اپنے آپ کو جکڑ کر رکھ دینا اور ذہنی غلامی میں مبتلا ہونا ایک ایمان والے کے شایان شان نہیں ہے ۔

صوفیاؒ کرام کا تیسرا گروہ دسویں صدی عیسوی سے متعلق ہے ۔ یہ وہ زمانہ تھا ۔ جب مسلمان فقہی مسائل و معاملات کی پیچیدگیوں میں الجھکر اپنی منزل اور اپنے اصل مقصد کو بھول چکے تھے ۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ اس زمانے میں اسلامی سلطنت کی سرحدیں دور دور تک پھیل چکی تھیں اور پھیلاؤ کے اس عمل میں اضافہ ہوتا چلا جا رہا تھا ۔ لیکن ایک مایوس کن اور منفی رجحان اس عضویت میں جنم لے رہا تھا کہ

---

1 فرید الدین عطار ـــ تذکرۃ الاولیا ـــ ترجمہ ظہیر الاصفیا ـــ ص 133

لوگ قرآن و سنت میں جس حکم صریح کو نہیں پاتے تھے اسپر عقل و قیاس اور فقہ واجتہاد کا اطلاق کرتے تھے ۔ فقہاً پیدا ہوتے رہے اور انہوں نے بڑی دیانت داری اور عرقریزی سے کام لے کر کتب فقہ ترتیب دیں ، جنکی وساطت سے مسلمانوں کے عائلی ، وراثتی ، تعزیراتی اور دیگر متفرق مسائل کے حل ہونے میں بڑی مدد ملی تھی ۔ فقہ کے چار بڑے مسلک پہلے ہی وجود میں آچکے تھے ۔ امام ابوحنیفہ (نعمان بن ثابت) امام شافعی (محمد بن ادریس) امام مالک (امام محمد) اور امام حنبل (احمد بن حنبل) نے تدوین فقہ میں گراں قدر کارنامے انجام دئیے لیکن اس کے باوجود اپنے فقہی اجتہاد اور آراء کو وہ حرف آخر نہیں سمجھتے تھے ، یہاں تک کہ حضرت امام ابوحنیفہ نے اس بات کی صراحت کی اور فرمایا

" اذا راکلامنا یخالف ظاہرالکتاب والسنّہ فضر بوہ علی الحائط "

ترجمہ : اگر ہمارے کلام کو تم کتاب و سنت سے متضاد پاؤ تو اسے دیوار پر دے مارو ۔ اس زمانے میں ائمہ کے ساتھ اظہار محبت اور غلو عقیدت میں اضافہ ہوتا گیا اور ایک موقعے پر ہارون الرشید نے چاہا تھا ، کہ :

" موطاً امام مالک کو خانہ کعبہ میں آویزاں کردیا جائے اور تمام مسلمانوں کو فقہی احکام میں اسکی پیروی پر مجبور کیا جائے ۔ امام صاحب نے اس خیال کو پسند نہیں کیا ، بلکہ تنبیہ فرمائی کہ ایسا نہ کرو ، خود صحابہ فروع میں مختلف ہیں اور وہ ممالک اسلامیہ میں پھیل چکے ہیں اور ان میں ہر شخص راہ صواب پر ہے ۔ "[1]

1 سید سلیمان ندوی ــــ حیات مالک ــــ ص 67 ـ 68

اس سے بڑھکر عوام میں ایک اور چیز کا اضافہ ہوا کہ لوگ شرعی احکامات کی پابندی سے بچنے کےلئے فقہی مسائل میں جو رعایتیں روا رکھی گئی ہیں، ان کا سہارا اپنے کو آزاد اور خود مختار دیکھنا چاہتے تھے۔ قدرت نے ان پر آشوب اور پر خطر حالات میں صوفیا کے اس طبقہ کو پیدا کیا جس نے لوگوں کو قرآن و سنت کی براہ راست اطاعت اور متابعت کی شدّت کے ساتھ تاکید کی اور اس کے ساتھ ساتھ "مذہب کی حقیقی روح کو بیدار کرنے، باطن کی اصلاح اور اخلاق کی درستگی کی طرف توجہ کی، جو فقہی گتھیوں میں الجھے ہوئے تھے"، ان سے للکار کر کہا

در کنز و ہدایہ نتواں دید خدا را

آئینہ دل بیں کہ کتابے بہ ازیں نیست [1]

اس دور کے نمائندہ صوفیا شیخ ابو سعید ابن عربی، شیخ ابو محمد الخلدی، شیخ ابو النصر سراج، شیخ ابو طالب مکی، شیخ ابو بکر اور شیخ ابو عبدالرحمٰن السلمی ہیں۔ ان مکرم صوفیا نے علمی و اصلاحی کام انجام دیکر عامۃ المسلمین کے زنگ آلودہ قلوب کو صاف و شفاف کردیا اور ان میں جو فقہی و مسلکی پیچیدگیاں اور ریشہ دوانیاں رونما ہوچکی تھیں ان کو دور کرنے میں ایک اہم رول ادا کیا۔ ابن عربی نے جو حضرت جنید بغدادی کے مریدوں میں شامل تھے "طبقات" نامی کتاب لکھکر گزشتہ ادوار کے نامور صوفیا کی تعلیمات اور تصورات کو بڑے شرح و بسط کے ساتھ لوگوں کے سامنے پیش کیا۔ حضرت ابن عربی کو قدرت نے اس دور کے تمام صوفیا میں وسعت نظر عطا کی تھی۔ فصوص الحکم (دانائی کے نگینے) اور فتوحات مکیّہ لکھکر ابن عربی نے

---

1 خلیق احمد نظامی ——— تاریخ مشایخ چشت — ص 89 مکتبہ عارفین

تصوف و سلوک کی دنیا میں ایک انقلاب برپا کردیا۔ بہت سارے علمائے وقت ان کے خلاف ہوگئے اور ان کی تصانیف پر کفر کا اطلاق کیا گیا ۔ لیکن ابن عربی استقلال و استقامت کے ساتھ اسرار معرفت اور حقائق شریعت سے عوام و خواص کو آگاہ کرتے رہے ۔ محی الدین ابن عربی کی جلالت قدر سے متاثر ہوکر مولانا جامی فرماتے ہیں کہ:

"جناب شیخ پر طعن و تشنیع کی بڑی وجہ انکی کتاب فصوص الحکم ہے ، اور اس میں کلام نہیں کہ طعن کرنے والوں کا منشأ یا تقلید و تعصب ہے یا ان مصطلحات سے بے خبری ، یا ان معانی و حقائق سے غموض ، جو کہ انھوں نے اپنی تصانیف میں بیان کئے ہیں ۔آپ نے اپنی تالیفات میں اور بالخصوص "فتوحات مکیہ" اور "فصوص الحکم" میں جس مقدار میں حقائق اور معارف کو بیان کیا ہے ، کسی ایک کتاب میں بھی نہیں ہیں اور نہ اس جماعت کے کسی فرد سے ظاہر ہوئے ہیں ۔ میں نے خواجہ برہان الدین ابو نصر پارسا قدس سرہ سے سنا کہ میرے والد نے فرمایا ہے " "فصوص" جان ہے اور "فتوحات" دل ۔ اور حضرت والد نے اپنی کتاب "فصل الخطاب" میں جہاں بھی قال بعض الکبرا العارفین" لکھا ہے اس سے مراد شیخ اکبر قدس سرہ ہیں ۔" 1

---

1 اقتباس منقول از وحدت الوجود — ص 10 تالیف علامہ عبدالعلی انصاری ندوة المصنفین — اردو بازار ، دہلی ۔ 6

محی الدین ابن عربی کے فلسفۂ وحدت الوجود کے ضمن میں اسکی شدّت کے ساتھ مخالفت کرنے والے ایک عالم کے خیالات کا اختصاراً یہاں پر تذکرہ کرنا ضروری محسوس ہوتا ہے ۔ آٹھویں صدی ہجری کے مشہور عالم و مصلح شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ نے خاص طور پر ابن عربی کو تنقید کا ہدف بنایا ۔ ابن تیمیہ متعدد علوم پر گہری دسترس رکھتے تھے اور قدرت نے ان کو ایک زرخیز ذہن اور بلا کا حافظ عطا کیا تھا ۔ تصوف کے بارے میں ان کے زمانے میں بہت ساری کتابیں شائع ہوچکی تھیں اور کچھ واقعات ان کے زمانے میں اس انداز سے ظاہر ہوئے کہ قوانین شرعیہ اور عقائد دینیہ پر بحث و تمحیص ہونے شروع ہوئے چنانچہ ابن تیمیہ نے محی الدین ابن عربی کے مسلک وحدت الوجود کو کھلم کھلا تردید و تنقید کا نشانہ بنایا ۔ متعدد علما و فضلا ابن عربی کی علمیت، تحقیق و تدقیق اور انکی بلند منزلی سے متاثر تھے اور انہیں شیخ اکبر مانتے تھے لیکن شیخ اکبر کا خیال ان سب علما کے برعکس تھا ۔ امام تیمیہ نے فلسفہ، تصّوف اور ان سے متعلقہ علوم کا گہرائی اور گیرائی کے ساتھ مطالعہ کیا تھا اور براہ راست واقفیت کیلئے فصوص اور فتوحات کو بھی پڑھا تھا ۔ وہ اپنی تصانیف میں ان کتابوں کے اقتباسات جابجا نقل کرتے ہیں اور انکی تردید کرتے ہوئے متنوع آرا پیش کرتے تھے ۔ ابن تیمیہ کا یہ خیال تھا کہ ابن عربی کی تعلیمات انبیاء علیہم السلام کی دعوت توحید سے کوئی مطابقت نہیں رکھتی ہیں بلکہ بسا اوقات ان تعلیمات سے متعارض ہوتی ہیں ۔ ابن عربی کے مسلک کی صراحت کرتے ہوئے اپنی تصنیف "الرّد الاقوم علی مافی کتاب فصوص الحکم" میں لکھتے ہیں :

"ابن عربی اور انکے متبعین کا مسلک یہ ہے کہ وجود ایک ہی ہے ۔ وہ کہتے ہیں مخلوق کا وجود خالق کا وجود ہے ۔ وہ دو متغائر موجودوں کے قائل نہیں، جن میں سے ایک دوسرے کا خالق ہو، بلکہ کہتے

ہیں کہ خالق ہی مخلوق ہے اور مخلوق ہی خالق ہے اور مطلق وجود میں رب و عبد کی کوئی تفریق نہیں ، وہاں نہ کوئی خالق ہے نہ مخلوق ، نہ کوئی داعی نہ کوئی مجیب ، وجود کا سب اعیان پر فیضان ہوا اور اس نے ان کے اندر ظہور کیا ، تو اعیان کی حیثیت سے اس میں تنوع اور تفریق پیدا ہوئی جیسے کہ روشنی مختلف الالوان شیشوں میں مختلف رنگوں میں ظاہر ہوتی ہے - اسی بنا پر وہ کہتے ہیں کہ گو سالہ پرستوں نے درحقیقت خدا ہی کی پرستش کی تھی ، موسیٰ نے ہارون کو جو ٹوکا تھا ، تو اسی بات پر کہ انہوں نے اس گوسالہ پرستی کی (جو دراصل خدا پرستی تھی) اس لئے کہ موجود تو ایک ہی ہے) مخالفت کیوں کی ؟ ان کے نزدیک موسیٰ ان عارفین میں سے تھے ، جو ہر چیز میں حق کا مشاہدہ کرتے ہیں اور ان کو ہر چیز کا عین سمجھتے ہیں ، ان کے نزدیک فرعون اپنے اس دعویٰ میں برسرحق تھا کہ "انا ربکم الاعلیٰ " بلکہ وہ عین حق تھا ـ " [1]

مولانا ابوالحسن ندوی نے امام تیمیہ کے مختلف اقتباسات نقل کرتے ہوئے تاریخ دعوت و عزیمت حصہ دوم ص 63 ـ 64 کے حواشی میں یہ بات بھی درج کی ہے :

"یہاں اس بات کا ذکر کردینا بھی ضروری معلوم ہوتا ہے کہ شیخ اکبر کی کتابوں اور علوم کے اشتغال رکھنے والوں کی ایک جماعت اس بات کی قائل ہے کہ شیخ کی کتابوں بالخصوص فصوص الحکم میں کثرت سے الحاقات

1 ابوالحسن علی ندوی ـــ تاریخ دعوت و عزیمت ـــ ص 62 ـ 63 ، حصہ دوم
مجلس تحقیقات و نشریات اسلام ، ندوۃ العلماء لکھنو

اور اضافات کئے گئے ہیں ۔ دمشق میں شیخ احمد الحاروں العسل ،
جو شیخ کے عشاق میں ؒ اور انکے علوم کے حاملین میں سے تھے ، بڑے
جزم و وثوق سے فرماتے تھے کہ فصوص کا تہائی حصہ یا بیشتر محض
الحاقی و بے اصل ہے ۔ "[1]

امام تیمیہ نے کئی ہمعصر مشاہیر کے نام مستفرق معاملات کے تعلق سے خطوط لکھے ہیں جن میں علمی اور شرعی نقطۂ نگاہ سے معاملات کی اصلیت جاننے کی کوشش کی گئی ہے 704ھ کو امام تیمیہ شیخ ابوالفتح نصر المنجی کو ایک مفصل خط لکھتے ہیں جس میں انہوں نے وحدت الوجود کے اثرات کا مقابلہ اور ازالہ اسقدر ضروری قرار دے دیا ہے جتنا تاتاریوں کا مقابلہ کرنا لابدی تھا ۔ کتب تواریخ میں یہ بات بھی آگئی ہے کہ امام تیمیہ ابتدا میں شیخ ابن عربی کے ساتھ حسن ظن رکھتے ہوئے کہا کرتے تھے کہ انکی تصانیف فتوحات مکیہ ، الدرتہ الفاخرہ اور مطالع النجوم وغیرہ میں بڑے اچھے علمی فوائد اور نکات ملتے ہیں ۔ بعد میں جب امام صاحب نے ابن عربی ، صدر الدین قونوی ، تلمسانی اور ابن سبعین کی ذہنی اور عملی صورت حال دریافت کی تو اس طرح انہوں نے وحدت الوجود کا پہلے شرح و تفصیل کے ساتھ مطالعہ کیا اور پھر اسکی تردید میں اپنی صرف سے دلائل پیش کئے ۔ ابن عربی اور اس کے دیگر رفقاء کے درمیاں فرق کرتے ہوئے ابوالفتح نصر کے نام تحریر کئے گئے خط میں فرماتے ہیں :

"لکن ابن عربی اقربہم الی الاسلام واحسن کلاماً فی مواضع کثیرتہ
فانہ یفرق بین المظاہر والظاہر میقرالامر والنہی والشرائع علی ماہر علیہ

---

1 ابوالحسن علی ندوی ۔ تاریخ دعوت و عزیمت ۔ ص 62 ۔ 63 ، حصہ دوم ، مجلس تحقیقات و نشریات اسلام ، ندوتہ العلماء لکھنو

و یامر بالسلوک بکثیر مما امر به المشایخ من الاخلاق والعبادات ولهذا کثیر من العباد یاخذون من کلامه سلوکهم فینتفعون بذالک وان کانوا لا یفقهون حقائقه ومن فهمها منهم و وافقه فقد تبین موله [1]

ترجمہ: ابن عربی ان لوگوں میں اسلام سے قریب تر ہیں اور ان کا کلام بہت سے مقامات پر نسبتاً بہتر ہے۔ اس لئے وہ مظاہر اور ظاہر میں فرق کرتے ہیں۔ امر و نہی اور شرائع و احکام کو اپنی جگہ رکھتے ہیں۔ مشائخ نے جن اخلاق و عبادات کی تائید کی ہے ان کو اختیار کرنے کا مشورہ دیتے ہیں۔ اس لئے بہت سے عابد و صوفی ان کے کلام سے سلوک کو اخذ کرتے ہیں۔ اگرچہ وہ ان کے حقائق کو اچھی طرح نہیں سمجھتے۔ ان میں سے جو ان حقائق کو اچھی طرح سمجھ لیتے ہیں اور انکی موافقت کرتے ہیں۔ مگر بھی انپر الذی کلام کی حقیقت منکشف ہوجاتی ہے۔

ابن عربی کے متعلق حافظ تیمیہ نے کسی حد تک اگرچہ محتاط لب و لہجہ اختیار کیا ہے۔ لیکن ان کے خاص شاگردوں پر زور دار حملے کرنے میں کوئی تامل نہیں کیا ہے چنانچہ حافظ تیمیہ اپنی مشہور عربی تصنیف "الفرقان بین الحق والباطل" میں رقمطراز ہیں:

"اس سلسلہ میں ایک جماعت (جسکو علم کلام، فلسفہ اور تصوف سے واقفیت تھی) بہت زیادہ گمراہ ہوئی۔ ان میں سے ابن سبعین صدر الدین قونوی (تلمیذ ابن عربی) بلیانی اور تلمسانی خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ ان میں تلمسانی اس مسئلہ کے علم و معرفت میں سب سے بڑھا ہوا تھا۔ وہ مذہب وحدت الوجود کا نہ صرف قائل ہی نہ تھا بلکہ اسپر عامل بھی تھا۔

---

1 مکتوب امام تیمیہ بنام شیخ ابوالفتح نصر المنبجی مندرجہ جلا العینین ۔ ص 57

چنانچہ شراب پیتا تھا اور محرمات کا ارتکاب کرتا تھا (کہ جب موجود ایک ہے، تو حلال و حرام کی تفریق کیسی ؟)[1]

اوپر کی سطور سے یہ بات اختصاراً واضح ہوگئی کہ تحریک تصوف نے کن حالات اور کن منزلوں سے گزر کر نشو ونما پائی، اور اس میں کس طرح سے فلسفے کی آمیزش ہوئی جیساکہ پہلے بھی اشارہ کیا جا چکا ہے کہ تصوف تصفیہ اخلاق اور تزکیۂ باطن کی صفات پیدا کرنے اور انہیں پروان چڑھانے کےلئے وجود میں آیا تھا، رفتہ رفتہ اپنی اصلیت اور حقانیت سے ہٹ کر "نقطۂ انحراف" کی طرف بڑھنے لگا۔ تصوف کے ساتھ ایسے لوگ بھی وابستہ ہوگئے، جو علم و عمل اور تقویٰ و طہارت سے عاری تھے، اور انہوں نے ایسی اصطلاحات گھڑلیں، جو براہ راست قرآن مجید اور سنت نبوی ؐ کے ساتھ متصادم تھیں۔ اسلام نے عبادات کے جو قاعدے مقرر کئے ہیں، ان لوگوں نے ان قاعدوں کا ہی تمسخر اڑانا شروع کیا، نماز اور روزہ کو بے کاروں کا مشغلہ قرار دے دیا، زکواۃ و حج کی ادائیگی سے صریحاً بے توجہی برتنی شروع کی اور اس طرح شریعت کے بیّن فرائض و احکام سے لاتعلقی کا ماحول پیدا ہونے لگا۔ تاریخ کے اوراق اس بات کےلئے گواہ ہیں کہ مسلمانوں کے ملّی زوال کا ایک سبب یہ بھی ہے کہ پاگلوں اور عقل و شعور سے محروم انسانوں کو صوفی، مجذوب، ولی اللہ خدا رسیدہ اور صاحب کرامات بزرگ سمجھکر انکی پرستش کی جانے لگی اور شریعت نے محبت و عقیدت کی جو حدیں متعین کررکھی تھیں، ان سے تجاوز کیا گیا۔ اسلام کسی بھی ایسے طریقے کو قابل اعتبار نہیں سمجھتا ہے، جو قرآن اور صاحب قرآن کے ارشادات و فرمودات سے مطابقت نہ رکھتا ہو، چنانچہ قرآن مجید

---

1 امام ابن تیمیہ ــــ الفرقان بین الحق والباطل ــ ص 145 اقتباس منقول از تاریخ دعوت و عزیمت ــ حصہ دوم ــ ص 64 ــ مجلس تحقیقات و نشریات اسلام لکھنو

نے نبیؐ کی زندگی کو تمام مسلمانوں کے لئے بہترین اور صحیح طریقہ قرار دیا اور فرمایا گیا :

لقد کان لکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنۃ ۔ لمن کان یرجو اللہ
والیوم الآخر وذکر اللہ کثیرا ۔[1]

ترجمہ :

ایک دوسرے موقعے پر حکم کیا گیا :

ما اتاکم الرسول فخذوہ وما نہاکم عنہ فانتہو[2]

کشف المحجوب اور صوفیا کے مختلف فرقے

کشف المحجوب فارسی زبان میں تصوف پر مستند ترین کتاب سمجھی جاتی ہے ۔ اس کتاب کی قبول عام کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ بہت سارے صوفیا اور علما اس کتاب کو تبرک کے طور پر اپنے گھروں میں رکھتے تھے اور بغیر وضو کے اس کا مطالعہ نہیں کرتے ۔ کشف المحجوب پانچویں صدی ہجری کے ایک بزرگ شیخ سید ابوالحسن علی ہجویری کی تصنیف ہے ۔ شیخ ہجویریؒ داتا گنج بخش کے لقب سے زیادہ مشہور ہیں ۔ اس لقب کی تاریخ یوں بیان کی جاتی ہے :

"خواجہ معین الدین اجمیری اور خواجہ فرید الدین گنج شکر نے کسب فیض کے لئے آپ کے مزار پر چلہ کشی کی اور خواجہ معین الدین اجمیریؒ نے چلہ کے بعد رخصت ہوتے وقت یہ شعر کہا :

1

2

گنج بخش فیض عالم مظہر نور خدا

ناقصاں را پیر کامل ، کاملاں را رہنما [1]

حضرت شیخ علی ہجویری نے کشف المحجوب میں صوفیا کے بارہ فرقوں کا تفصیل کے ساتھ تعارف اور تذکرہ کیا ہے ۔ وہ بارہ فرقے اس طرح سے ہیں :

" (1) فرقہ محاسبیہ : یہ گروہ حضرت ابو عبداللہ حارث بن اسد محاسبی رح سے نسبت رکھتا ہے ۔ آپ اپنے معصروں کے نزدیک مقبول النفس ہونے میں اور آپ کا ظاہری اور باطنی کلام خالص توحید کے بیان میں ہے ۔

(2) فرقہ قصاریہ : یہ گروہ ابو صالح بن حمدون بن احمد بن عمارۃ القصار رح کی طرف منسوب ہے ۔ آپ کا طریقہ ملامت کو ظاہر اور نشر کرنا کیونکہ ان کے نزدیک تزکیۂ نفس کے لئے خلق کی ملامت ضروری ہے ۔

(3) فرقہ طیفوریہ : اس گروہ کے پیشوا حضرت ابو یزید طیفور بن عیسٰی بن سروشان بسطامی رح ہیں ۔ ان کا طریقہ غلبہ اور سکر (بے ہوشی) کا تھا ۔ یعنی اللہ تعالٰی کے شوق کا اسقدر غلبہ ہو کہ اس میں آدمی بے ہوشی کی حد تک کھو جائے ۔

(4) فرقہ جنیدیہ : اس فرقہ کے پیشوا حضرت ابوالقاسم جنید بن محمد بن جنید بغدادی رح ہیں ۔ اس فرقہ کی خصوصیت یہ ہے کہ ان کا طریقہ طیفوری گروہ کے برخلاف " صحو " یعنی ہوش پر مبنی ہے ۔

---

1 سید احمد عروج ــــ تصوف کی تین اہم کتابیں ــــ ص 11 ــ ہندوستان پبلیکیشنز دہلی

(5) فرقۂ نوریہ: نوری فرقہ کے پیشوا ابوالحسن احمد بن نوری رح ہیں۔
ان کے طریقہ کی خاصیت یہ ہے کہ ان کے نزدیک گوشہ گیری ناپسندیدہ ہے
اور صحبت درویشاں مردوں کا فرض ہے اور اس میں دوسروں کے حقوق کو اپنی
منفعت اور مصلحت کے اوپر مقدم رکھنا لازم ہے۔

(6) فرقۂ سہیلیہ: یہ فرقہ حضرت سہیل بن عبداللہ تستری رح سے منسوب
ہے۔ان کا طریقہ اجتہاد اور نفس کا مجاہدہ اور ریاضت تھا۔

(7) فرقۂ حکیمیہ: اس فرقہ کے امام حضرت ابو عبداللہ محمد بن علی حکیم ترمذی رح
ہیں۔اس فرقے کا مسلک یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے اولیاء کا ایک گروہ ہے۔
جسے وہ تمام مخلوقات سے برگزیدہ فرماتا ہے۔وہ اپنے نفس اور خواہشات پر
قابو رکھتے ہیں ان کو حقیقت کا علم ہوتا ہے اور ان سے کرامات کا ظہور
ہوسکتا ہے۔

(8) فرقۂ خرازیہ: یہ فرقہ حضرت ابو سعید خراز رح سے منسوب ہے۔تصوف
میں فنا اور بقا کی اصطلاحات انہوں نے ہی جاری کی ہیں۔

(9) فرقۂ خفیفیہ: خفیفی فرقہ کے امام ابو عبداللہ محمد بن خفیف شیرازی رح
ہیں۔ان کے مسلک کی ممتاز خصوصیت شہوانی خیالات کے سلسلے میں
کمال درجے کی عفت تھی۔

(10) فرقۂ سیاریہ: یہ فرقہ ابو العباس سیاری رح سے متعلق ہے۔اس فرقے کی
خصوصیت یہ ہے کہ اس میں تصوف کو "جمع" اور "تفرقہ" کی اصطلاحات
میں بیان کیا گیا ہے۔

(11) فرقۂ حلولیہ : حلولیہ کے دو گروہ ہیں - ایک گروہ ابو حلمان دمشقی کی طرف اور دوسرا فارس کی طرف منسوب ہے - حلولیہ بندے کی روح کے خدا کے ساتھ حلول و امتزاج کے قائل ہیں - شیخ علی ہجویری نے ان کو مردود تصور کیا ہے -[1]

علی ہجویریؒ نے جن ایام میں کشف المحجوب تحریر کی ، وہ زمانہ نہایت ہی پرآشوب تھا اور عقائد کے اندر تذبذب اور تشکیک کی کیفیت پیدا ہو چکی تھی - دین کے نام پر بے دینی کے افعال و اشغال ترقی پا رہے تھے ، چنانچہ اس وقت کے علما و صوفیہ کا جو حال تھا ، اس کی منظر کشی حضرت ہجویریؒ نے ان الفاظ میں کی ہے :

"خدائے عزوجل نے مجھے ایک ایسے زمانے میں پیدا کیا ، کہ اہل زمانہ نے خواہشات کا نام شریعت ، طلب جاہ و ریاست کا نام عزت اور علم و ریاکاری کا نام خوف و خشیت ، دل میں کینہ چھپائے رکھنے کا نام حلم ، مجادلے کا نام مناظرہ ، نزاعات اور کم عقلی کا نام عظمت ، نفاق کا نام زہد ، خام خیالی کا نام ارادت ہذیان طبع کا نام معرفت ، قلبی وساوس اور حدیث نفس کا نام محبت ، الحاد کا نام فقر ، دیدہ و دانستہ انکار حق کا نام صفوت ، زندقہ کا نام فنا اور پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت کو ترک کر دینے کا نام طریقت اور اہل زمانہ کی آفت کا نام معاملت رکھ چھوڑا ہے - یہاں تک کہ اہل معانی (اہل حقائق) ان کے درمیان مہجور ہو کر رہ گئے ہیں اور مذکورہ بالا لوگ ان پر اسی طرح غالب آگئے ہیں جس طرح پہلے زمانے میں آل مروان اہل بیت رسول اللہؐ پر غالب آگئے تھے -"[2]

---

1 شیخ علی ہجویری — کشف المحجوب ، ترجمہ ، ترتیب و تلخیص میاں محمد طفیل مرکزی مکتبہ اسلامی — دہلی — 6

2 شیخ علی ہجویری — کشف المحجوب — مطبوعہ بہاول پور پریس انارکلی لاہور ص 7

کشف المحجوب میں شیخ علی ہجویری نے صوفیا کے مختلف فرقوں کا جہاں تذکرہ کیا ہے اور پورے شرح و بسط کے ساتھ مقاصد تصوف کی وضاحت کی ہے وہاں عالم اسلام کے مایہ ناز مفکر امام محمد غزالی نے بھی اپنی دو معرکتہ الآرا کتابوں "احیاء العلوم" اور "کیمیائے سعادت" میں تصوف کے مقاصد، مقامات، میلانات اور مقتضیات کی عالمانہ انداز میں تشریح و توضیح کی ہے۔ امام غزالی نے تصوف کو ایک باضابطہ فکر و فن بخشا اور صوفیائے متقدمین نے جو کچھ کہا تھا، ان ملفوظات کو ایک ترتیب میں لایا، اور فلسفے کی رنگا رنگی میں پیش کیا۔ امام صاحب کے زمانے تک تصوف کی نئی اصطلاحیں وجود میں آچکی تھیں، اور عوام و خواص میں مستعمل بھی تھیں، لیکن امام صاحب نے مزید 25 مصطلحات کا اضافہ کرکے تصوف کے دائرہ کار کو وسیع تر بنا دیا۔ اصطلاحات حسب ذیل ہیں:

سفر، سالک، مکان، شطح، ذہاب، وصل، فصل، ادب،
تجلی، تخلی، علت، انزعاج، غیرت، حریت، فتوح، وسم،
رسم، زوائد، ارادہ، ہمت، غربت، رغبت، غُرّ، اصطلام[1]

امام غزالی نے اخلاق و تصوف پر کیمیائے سعادت میں موتیوں کی ایک ایسی مالا پروئی ہے، جسکی مثال گزشتہ ایک ہزار سال کی اخلاقی اور روحانی ادبیات میں نہیں مل سکتی ہے۔ کیمیائے سعادت میں حمد و نعت کے بعد امام صاحب نے تخلیق آدم کی غرض و غایت بیان کی ہے جو یہ ہے کہ انسان کو لہو لعب کیلئے پیدا نہیں کیا گیا ہے بلکہ اس لئے کہ وہ خدا کا عرفان پیدا کرے، اور اسکےلئے ضروری ہے کہ وہ پہلے اپنے آپ کو پہچاننے کی کوشش کرے۔

---

1 مولانا شبلی نعمانی ـــ الغزالی ص 163 مطبوعہ معارف پریس، اعظم گڑھ اگست 1956ء

چنانچہ امام صاحب کے خیال میں عرفان ذات کے لئے صفائے قلب بہت ضروری ہے ۔ "کیمیائے سعادت" چار ارکان پر مشتمل ہے ۔ چنانچہ امام صاحب نے ہر رکن کے دس باب مقرر کئے ہیں ۔ جنہیں وہ اصول سے موسوم کرتے ہیں ۔ کتاب کے چار ارکان اور انکے متعلقات یوں ہیں :

(1) عبادات (2) معاملات (3) مہلکات (4) منجیات

(1) رکن اوّل یعنی عبادات کی دس اصلیں یہ ہیں :

"اہل سنت کے اعتقادات ۔ طلب علم ۔ طہارت ۔ نماز ۔ زکواتہ ۔ روزہ
حج ۔ تلاوت قرآن ۔ ذکر الٰہی ۔ وظائف و اوراد

(2) رکن دوم یعنی معاملات کی اصلیں :

آداب طعام ۔ آداب نکاح ۔ آداب تجارت ۔ آداب کسب حلال ۔ آداب صحبت
آداب گوشہ نشینی ۔ آداب سفر ۔ آداب سماع ۔ آداب امر بالمعروف و نہی
عن المنکر ۔ آداب سلطنت ۔"[1]

(3) رکن سوم یعنی مہلکات ۔ مہلکات سے مراد امام صاحب نے وہ خواہشات لی ہیں
جو انسان کی ہلاکت کا موجب ہوتی ہیں :

خواہشات نفس ۔ شہوت و شرانگیزی نفس ۔ بد زبانی ۔ قوت غضب و حسد
محبت دنیا ۔ محبت مال دنیا و بخل ۔ ہوس جاہ و حشم ۔ ریاکاری و نمود
تکبر و نخوت ۔ غفلت و تساہل ۔[2]

---

1 مترجم ۔ اخلاق احمد صدیقی ۔ کیمیائے سعادت (جدید اردو) ص 22 ۔ 21
ناشر ادارہ درس قرآن دیوبند یو ۔ پی

2 اخلاق احمد صدیقی ۔ مترجم کیمیائے سعادت ۔ ص 24
ناشر ادارہ درس قرآن دیوبند یو ۔ پی ۔

چوتھا اور آخری رکن منجیات ہے - یہ وہ امور ہیں جو انسان کی فلاح اور نجات کا باعث ہوتے ہیں - صوفیہ نے ان امور کو اپنی زندگی میں اپنانے کی خاص کوشش کی اور انہی امور کے ارد گرد اپنے اعمال و اشغال مرکوز کرتے رہے منجیات کی تفصیل :

"توبہ ، صبر و شکر ، خوف و رجا ، فقر و زہد ، اخلاص ، نیت اور صدق و صفا ، محاسبہ و مراقبہ ، توحید و توکل ، تفکر ، عشق و محبت موت و آخرت -"[1]

امام غزالی رح نے تصوف کو اگرچہ ایک فن کی حیثیت سے پیش کیا ، تو حضرت شیخ سید عبدالقادر جیلانی رح نے اس تحریک میں ایک جان ڈال دی اور عمل کا ایک جذبہ پیدا کیا ، جو بڑی حد تک سرد ہوچکا تھا - بغداد اس وقت علوم متداولہ کا مرکز مانا جاتا تھا ، چنانچہ آپ نے خالص علمی اور علمی انداز میں تصوف و طریقت کے مقاصد لوگوں پر واضح کردئیے - آپ کے خطبات و مواعظ دلوں کے اندر ایمان و یقین کی روشنی پیدا کردیتے تھے اور ہر مکتب فکر کے لوگ آپ کی مجالس میں شریک ہوکر رشد و ہدایت کے موتیوں سے اپنا دامن بھر کر چلے جاتے تھے - سینکڑوں کاتب آپکی مجلسوں میں بیٹھکر جو کچھ آپ فرماتے تھے ، اسے قلمبند کرتے رہتے تھے - اخبار الاخیار میں شیخ عبدالحق محدث دہلوی مجالس شیخ کی کیفیت ان الفاظ میں بیان کرچکے ہیں -

"در مجلس آں حضرت ہر گز از جماعت یہود و نصارٰی و امثال ایشاں کہ

---

1 اخلاق احمد صدیقی - مترجم کیمیائے سعادت - ناشر ادارہ درس قرآن دیوبند یو - پی - ص 25

بردست او بیعت اسلام آورد ندے و از طوائف عصاۃ از قطاع طریق و از ارباب بدعت و فساد در مذہب و اعتقاد کہ تائب می شدند خالی نبودے ۔"[1]

حضرت شیخ کی کتابوں میں توحید، اخلاص، تصوف، سلوک، غیرت اور محبت انسانی کے ایسے نقوش ملتے ہیں، جو کبھی مٹ نہیں سکتے ہیں ۔ اپنی ایک مجلس میں توحید اور ماسوا اللہ سے قطع تعلق کی تعلیم اس طرح بیان کی ہے:

"اس پر نظر رکھو، جو تم پر نظر رکھتا ہے ۔ اس کے سامنے رہو، جو تمہارے سامنے رہتا ہے، اس سے محبت کرو جو تم سے محبت کرتا ہے اس کی بات مانو، جو تم کو بلاتا ہے، اپنا ہاتھ اسے دو، جو تم کو گرنے سے سنبھال لے گا اور جہل کی تاریکیوں سے نکال لے گا اور ہلاکتوں سے بچائے گا ۔۔۔۔۔۔۔ کب تک عادت؟ کب تک خلق؟ کب تک خواہش؟ کب تک رعونت؟ کب تک دنیا؟ کب تک آخرت؟ کہاں چلے تم اس خدا کو چھوڑ کر جو ہر چیز کا پیدا کرنے والا اور بنانے والا ہے، اوّل ہے، آخر ہے، ظاہر ہے اور باطن ہے ۔ دلوں کی محبت، روحوں کا اطمینان گرانیوں سے سبکدوشی بخشش و احسان، ان سب کا رجوع اسکی طرف ہے اور اسی کی طرف سے اسکا صدور ہے ۔"[2]

1. شیخ عبدالحق دہلوی ــــ اخبار الاخیار ــــ ص ۲۱
2. شیخ سید عبدالقادر جیلانیؒ ــــ رموز الغیب ترجمہ فتوح الغیب اقتباس منقول از تزکیہ و احسان ــ ص ۶۵ مولف مولانا سید ابوالحسن علی ندوی مجلس تحقیقات و نشریات اسلام لکھنو

سید عبدالقادر جیلانیؒ نے خطبات میں حکام و سلاطین اور درباری عالموں اور مشایخوں پر بڑی بے خوف اور زوردار تنقید ہوا کرتی تھی ۔ آپ بغیر کسی رو رعایت کے اپنے ہمعصر لیکن دنیا پرست عالموں کو برملا ٹوکتے تھے ۔ ایک موقع پر خطاب کرتے فرماتے ہیں :

"اے علم و عمل کے خیانت کرنے والو ! تم کو ان سے کیا نسبت ، اے اللہ اور اس کے رسولؐ کے دشمنو ! اے بندگان خدا کے ڈاکوؤ ! تم کھلے ظلم اور کھلے نفاق میں (مبتلا) ہو ، یہ نفاق کب تک رہے گا ؟ اے عالمو ! اے زاہدو ! شاہان و سلاطین کے لئے کب تک منافق بنے رہو گے کہ ان سے دنیا کا زر و مال اور اس کی شہوات و لذات لیتے رہو ۔ تم اور اکثر بادشاہ اس زمانے میں اللہ تعالٰی کے مال اور اس کے بندوں کے متعلق ظالم و خائن بنے ہوئے ہیں ، بارالٰہا ، منافقوں کی شوکت توڑ دے ، اور ان کو ذلیل فرما یا انکو توبہ کی توفیق دے اور ظالموں کا قلع قمع فرما اور زمین کو ان سے پاک کردے یا انکی اصلاح فرما ۔"[1]

حضرت سید عبدالقادر جیلانیؒ کی دینی ، علمی ، تبلیغی روحانی خدمات ، ان کے پرتاثیر خطبات اور انقلاب آفرین تالیفات و تصنیفات نے بارہویں صدی عیسوی میں لاکھوں بندگان خدا کو کافی نفع پہونچایا ، اور ان کی روحانی تحریک کا احسان و فیضان آج بھی اطراف عالم میں جاری و ساری ہے ۔ مولانا سید ابوالحسن علی ندوی نے اپنی کتاب تزکیہ و احسان میں "بیعت و تربیت" کے عنوان سے حضرت شیخ کی خدمات بڑے جامع اور فاضلانہ الفاظ میں یوں قلمبند کی ہیں :

---

1 سید عبدالقادر جیلانی ۔ فیوض یزدانی مجلس 15 ۔ اقتباس منقول از تزکیہ و احسان ص 54 ۔ تالیف سید ابوالحسن علی ندوی ۔ مجلس تحقیقات و نشریات اسلام لکھنؤ

"حضرت شیخ سے پہلے دین کے داعیوں اور مخلص خادموں نے اس راستہ سے کام لیا ہے اور انکی تاریخ محفوظ ہے ۔ لیکن حضرت شیخ نے اپنی محبوب اور دلآویز شخصیت، خداداد روحانی کمالات، فطری علو استعداد، اور ملکۂ اجتہاد سے اس طریقہ کو نئی زندگی بخشی ۔ وہ نہ صرف اس سلسلہ کے ایک نامور امام اور مشہور سلسلہ (قادریہ) کے بانی ہیں بلکہ اس فن کی نئی تدوین و ترتیب کا سہرا آپ ہی کے سر ہے ۔ آپ سے پہلے وہ اتنا مدون اور مرتب اور ملخص و منضبط نہ تھا اور نہ اس میں اتنی عمومیت اور وسعت ہوئی تھی، جتنی آپکی مقبولیت اور عظمت کی وجہ سے پیدا ہوگئی ۔ آپکی زندگی میں لاکھوں انسان اس طریقہ سے فائدہ اٹھاکر ایمان کی حلاوت سے آشنا اور اسلامی زندگی اور اخلاق سے آراستہ ہوئے اور آپ کے بعد آپ کے مخلص خلفاء اور باعظمت اہل سلسلہ نے تمام ممالک اسلامیہ میں دعوت الی اللہ اور تجدید ایمان کا یہ سلسلہ جاری رکھا، جس سے فائدہ اٹھانے والوں کی تعداد اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں بیان کرسکتا ۔ یمن، حضر موت، اور ہندوستان میں پھر حضرمی مشایخ و تجار کے ذریعہ جاوہ اور سماٹرا میں اور دوسری طرف افریقہ کے براعظم میں لاکھوں آدمیوں کی تکمیل ایمان اور لاکھوں غیر مسلموں کے قبول اسلام کا ذریعہ بنا ۔"[1]

سلاسل تصوف کا اجمالی تعارف

تصوف و طریقت نے جب ایک فن کا نام اپنایا، اور متعدد صوفیا و مشایخ نے اپنی

---

1 سید ابوالحسن علی ندوی — تزکیہ و احسان — ص ۴۷ مجلس تحقیقات و نشریات اسلام لکھنؤ

مخلصانہ کوششوں کے ذریعے اس نظام کی بنیادوں کو استواری عطا کی ۔ تو آہستہ آہستہ تصوف کے کئی سلسلے وجود میں آنے لگے اور ہر سلسلہ اپنے مخصوص طریقۂ عمل و نصاب میں شریعت کے ساتھ مطابقت رکھتے ہوئے لوگوں کی مذہبی و اخلاقی رہنمائی کا فریضہ حسن و خوبی کے ساتھ انجام دیتا رہا ۔ مختلف سلاسل جو معرضِ وجود میں آگئے ۔ ان میں پانچ سلسلوں کو غیر معمولی اہمیت حاصل ہوگئی ۔ وہ پانچ سلسلے حسب ذیل ہیں :

(1) سلسلۂ نقشبندیہ (2) سلسلۂ قادریہ (3) سلسلۂ چشتیہ

(4) سلسلۂ سہروردیہ (5) سلسلۂ کبرویہ

(1) سلسلۂ نقشبندیہ

قدامت کے اعتبار سے اس سلسلے کو اولیت حاصل ہے ۔ یہ سلسلہ ترکستان میں عالم وجود میں آیا اور اس سلسلے میں سب سے مشہور و معروف بزرگ خواجہ محمد تالیسون رحمہ (المتوفی 1165ء) ہیں ۔ ترکستان کے ایک شہر لیسات میں خواجہ محمد نے قیام فرمایا ۔ چنانچہ خواجہ صاحب کے اس دنیا سے کوچ کرنے کے بعد خواجہ عبدالخالق غجدونی (المتوفی 1179ء) نے اس سلسلہ کو آگے بڑھایا اور اسے روحانی نظام عمل میں آٹھ اصطلاحوں کا اضافہ کیا ۔ خواجہ عبدالخالق کے بعد حضرت خواجہ بہاؤالدین نقشبند رحمہ نے مزید تین اصطلاحوں کا اضافہ کرکے اس کو ایک اسلوب و آہنگ سے معمور کردیا ۔ اصطلاحیں درج ذیل ہیں :

ہوش در دم ۔ نظر بر قدم ۔ سفر در وطن ۔ خلوت در انجمن ۔ یاد کرد ۔ بازگشت ۔ نگہداشت ۔ یاد داشت ۔ وقوف زمانی ۔ وقوف قلبی ۔ وقوف عددی ۔

ان اصطلاحات کے اختیار کرنے اور اپنے متبعین کو انکی تعلیم و تربیت دینے کے پس منظر میں اس سلسلے کے بزرگوں کا مقصد بالکل وہی تھا ، جس کی طرف قرآن مجید نے مختلف مقامات پر اشارہ کیا ہے یعنی یہ کہ ایک انسان ہر حال میں اللہ کے ذکر میں مصروف و مشغول رہے اور اپنے وجود کی ہر داخلی اور خارجی حرکت کو اسکی اطاعت کے حدود میں سر زد کرے ۔ ایک ایک قدم اپنے احکام کی کڑی نگہداشت میں اٹھے ، اور دنیا کی کوئی مرغوب شے انسان کو محبت الہی سے غافل نہ کرے ۔ فی الحقیقت خواجہ محمد اتالیسری اور خواجہ عبدالخالق غجدوانی نے سلسلہ نقشبندیہ کو جو ترقی و ترویج دینے کی کوشش کی لیکن اسکو مقبول بنانے کا شرف حضرت خواجہ بہاؤالدین نقشبند رح کے لئے مقدر ہوچکا تھا ۔ عام طور پر اب یہ سلسلہ انہی کی طرف منسوب ہے ۔ یہ سلسلہ اگرچہ سب سے قدیم ہے ، لیکن ہندوستان میں یہ تمام سلسلوں کے بعد وارد ہوا اور یہاں اپنی روحانی شعاعوں سے تاریکیوں کو اجالے میں بدل ڈالا ۔

سلسلہ قادریہ

اس سلسلے کی رہنمائی اور سرپرستی اسلامی دنیا کے نامور بزرگ حضرت شیخ سید عبدالقادر جیلانی رح کو حاصل ہے ۔ حضرت شیخ کو اللہ تعالیٰ نے علم لدنی سے سرفراز کیا تھا ۔ حضرت شیخ کا عہد اہم اور تاریخی واقعات سے لبریز رہا ہے ۔ چنانچہ سلجوقی اور عباسی خلفا کی کشمکش اس عہد میں اپنے عروج پر تھی ۔ حضرت شیخ نے ان پر آشوب حالات میں حکمت دین کا ایسا اسلوب اختیار کیا کہ عام مسلمانوں کو فتنوں سے محفوظ کرنے اور دین کی صالح قدروں کو سمجھنے کی ترغیب ملی ۔ حضرت شیخ سید عبدالقادر رح کے روحانی کمالات اور خوارق عادات کا اعتراف حضرت ابن تیمیہ نے ان الفاظ میں کیا ہے " عبدالقادر جیلانی رح کے ہاں کشف و کرامات حد تواتر کو پہنچ چکی تھیں "

آپ نے اپنی زندگی میں اصلاح و تربیت کا جو اعلیٰ نظام قائم کردیا اور اپنے مخلص پیروکاروں کو دور دراز مقامات تک تبلیغ و اشاعت کےلئے روانہ کیا اس کے ساتھ اسلامی ممالک میں سلسلہ قادریہ کی شاخیں پھیل گئیں۔ ہندوستان میں شاہ نعمت اللہ قادری نے اس سلسلے کی بنیاد ڈال دی، اور سید محمد غوث گیلانی، سید موسیٰ اور شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے عہد مغلیہ میں اس سلسلے کو مزید تقویت بخشی اور رفتہ رفتہ ہزاروں کی تعداد میں لوگ سلسلۂ قادریہ کے ساتھ منسلک ہوگئے۔

سلسلہ چشتیہ

چشت خراسان کے ایک شہر کا نام ہے وہاں چند بزرگوں نے اصلاح و تربیت کا ایک مرکز قائم کیا تھا، جسکو بڑا قبول عام حاصل ہوا۔ اپنے مقام کی نسبت سے اس روحانی نظام کا نام "سلسلۂ چشتیہ پڑ گیا۔ چشتی مشائخ وہی کام انجام دیا، جو دوسرے سلسلوں کے بزرگ انجام دے چکے تھے، یعنی اصلاح باطن اور تزکیۂ نفس۔ ہندوستان کی طرف سب سے پہلے جس چشتی بزرگ نے عنان عزیمت موڑ لی وہ خواجہ ابو محمد چشتیؒ تھے۔ لیکن چشتی سلسلے کے پھیلاؤ اور اسے طاقتور بنانے کا سہرا خواجہ معین الدین چشتی اجمیری کو حاصل ہے۔ مولانا ابوالحسن علی ندوی سلسلۂ چشتی اور انکی خدمات کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں "جس طرح محمود کی سیاسی فتح کی تکمیل اور اسلامی سلطنت کے استحکام و استقلال کی سعادت شہاب الدین غوری کےلئے مقدر تھی، خواجہ ابو محمد چشتی کے نام کی تکمیل اور اسلام کی عمومی اشاعت اور مستحکم اسلامی مرکز رشد و ہدایت کا قیام اس سلسلہ کےلئے شیخ، شیخ الشیوخ خواجہ معین الدین سجزی کےلئے مقدر ہوچکا تھا۔"[1]

---

1 ابوالحسن علی ندوی ـــ تاریخ دعوت و عزیمت جلد سوم ص 24 مجلس تحقیقات و نشریات اسلام لکھنؤ

سلسلۂ سہروردیہ

اس سلسلہ کے سب سے مشہور بزرگ حضرت شیخ شہاب الدین سہروردی ہیں۔ انہوں نے اس سلسلے کی ترویج و اشاعت اور اسکو مستحکم فکری بنیادیں فراہم کرنے میں کافی محنت سے کام لیا اور اپنی کتاب "عوارف المعارف" کے ذریعے اپنے روحانی نظام عمل کی تفصیلات بیان کیں۔ حضرت شیخ نے ہندوستان میں اپنے بہت سارے مرید بھیجے، جن میں شیخ نورالدین مبارک غزنوی، شیخ ضیاءالدین رومی، قاضی حمیدالدین ناگوری قابل ذکر ہیں، لیکن یہاں جس بزرگ کو اس سلسلے کے پھیلانے میں سب سے زیادہ اہمیت حاصل ہے وہ شیخ بہاؤالدین ذکریا ملتانی ہیں۔ ان کے ذریعے یہاں بڑی بڑی خانقاہیں قائم ہوئیں جن میں تزکیۂ نفس اور تطہیر اخلاق کا درس دیا جاتا تھا۔

سلسلۂ کبرویہ

سلسلۂ کبرویہ کا بانی شیخ نجم الدین کبری المعروف بہ ولی تراش موجودہ جمہوریہ تاجکستان کے شہر خیوہ جو قدیم زمانے میں خوارزم کہلاتا تھا 541ھ میں پیدا ہوئے۔ جناب شیخ صرف 25 برس کے تھے کہ رضائے الٰہی کی تلاش میں نکلے اور متواتر پندرہ سال تک دنیا کے مختلف ممالک کا دورہ کرتے رہے اور اس دوران مختلف علماء و فضلا سے استفادہ کرتے رہے۔ آپ جہاں بھی جاتے تھے، خداداد صلاحیتوں کے سبب بڑے بڑے علماء و صوفیا از خود ملاقات کو آتے۔ جناب شیخ نے جس سلسلے کی داغ بیل ڈالی، وہ ہزاروں لوگوں کو معرفت الٰہی سے فیضیاب کرانے کا ذریعہ بنا، چنانچہ آپ کے تربیت یافتہ گان میں شیخ مجد الدین بغدادی، شیخ سعد الدین حموی مولانا جلال الدین رومی اور شیخ رضی الدین علی لالا، خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

شیخ نجم الدین کبریٰ کے سلسلے کا اثر کشمیر میں حضرت میر سید علی ہمدانی کی وساطت سے قائم ہوا اور یہ سلسلہ کشمیر میں آٹھویں صدی کے اختتام اور نویں صدی کے آغاز پر بہت پھیلا اور دیکھتے ہی دیکھتے پوری وادی میں عام ہوگیا ۔

مذکورہ بالا سلسلوں میں طریقۂ کار کا بہت نازک فرق ہے جبکہ سبھوں کی منزل اور غایت رضائے الٰہی اور معرفت ذات ہے ۔ سلسلوں کے درمیان اس فرق کو واضح کرتے ہوئے مولانا اسماعیل سنبھلی یوں رقمطراز ہیں :

"حضرات نقشبند یہ نے ترقی اور قرب حق کے واسطے تمام تر دارو مدار ذکر قلبی اور ذکر خفی پر رکھا ہے بخلاف دوسرے سلاسل مثلاً چشتیہ، قادریہ اور سہروردیہ کے انہوں نے ذکر لسانی سے سلوک شروع کیا ہے نیز ان حضرات کے یہاں سیر آفاقی اور حضرات نقشبندیہ کے یہاں سیر انفسی اور دوسرے حضرات کے یہاں سلوک مقدم ہے ۔"[1]

گزشتہ سطور میں تصوف کی اجمالی تاریخ، صوفیا کے رجحانات اور تصوف کے سلسلے میں مختلف النوع خیالات کا تذکرہ ہوا۔ اگلے صفحات میں تصوف کے متنوع پہلوؤں کا قرآن و سنت کی روشنی میں جائیزہ پیش ہوگا اور یہ جاننے کی کوشش کی جائے گی کہ اسلام کس حد تک سراہتا ہے ۔

<u>قرآن و سنت اور تصوف</u>

اس ضمن میں سب سے پہلا نکتہ جو غور طلب ہے وہ یہ ہے کہ قرآن پاک نے انسانیت

---

1 مولانا اسماعیل سنبھلی — مقامات تصوف ص ۶۵ ـ ۶۷
ناشر تاج کمپنی، مسجد اسٹریٹ بمبئی ـ ۳

میں باعزت اور عظیم المرتبت جماعت انبیاء کرام کی بعثت کا اصلی مقصد کیا قرار دیا ہے ؟ قرآن کے مطالعہ سے یہ بات صاف الفاظ میں ہمارے سامنے واضح ہوجاتی ہے کہ انبیاءؑ کی رسالت و نبوت کا مدعا صرف "نفوس انسانی کا تزکیہ" تھا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جناب رسول اللہ ﷺ کی بعثت کے لئے جو دعا فرمائی اس کے الفاظ بھی اسی امر کی طرف اشارہ کرتے ہیں ۔

ربنا وابعث فیہم رسولاً منہم یتلو علیہم ایاتک و یعلمہم الکتٰب والحکمۃ و یزکیہم ۔ انک انت العزیز الحکیم [1]

ترجمہ: اے ہمارے رب، تو ان میں انہیں میں سے ایک رسول بھیج، جو انکو تیری آیتیں پڑھکر سنائے اور انکو کتاب و حکمت کی تعلیم دے اور ان کا تزکیہ کرے ۔ بے شک تو غالب اور حکمت والا ہے ۔

ایک دوسرے موقع پر اولاد اسماعیل پر اللہ اپنے فضل و احسان کا ذکر کرتے ہوئے آنحضرتؐ کی بعثت کا مقصد ان الفاظ میں بیان کیا جاتا ہے ۔

ھو الذی بعث فی الامیین رسولاً منہم یتلو علیہم ایاتہ و یزکیہم و یعلمہم الکتب والحکمۃ ۔ وان کانوا من قبل لفی ضلال مبین ۔ [2]

ترجمہ: وہی خدا جس نے امیوں میں سے ایک رسول بھیجا، جو ان کو اسکی آیتیں پڑھکر سناتا ہے اور ان کا تزکیہ کرتا ہے اور ان کو کتاب و حکمت کی تعلیم دیتا ہے اور اس سے پہلے وہ کھلی گمراہی میں تھے ۔

---

1 سورۃ بقرہ آیت 129

2 سورۃ جمعہ آیت 2

43

قرآن پاک کی سورہ نازعات میں حضرت موسیٰ کے بارے میں ارشاد ہوا ہے

اذھب الی فرعون انہ طغی فقل ھل لک الی ان تزکی ۔[1]

ترجمہ: فرعون کے پاس جا ، وہ سرکش ہوگیا ہے اور اس سے کہو کہ تیرے اندر کچھ رغبت ہے کہ تو تزکیہ حاصل کرے ۔

پھر یہ حقیقت قرآن مجید کی متعدد آیات سے اور بھی واضح ہوجاتی ہے کہ نجات وفلاح کا ایک ہی ذریعہ ہے اور وہ ہے "تزکیہ" یعنی پاکیزگی ۔قد افلح من زکھا وقد خاب من دسھا[2] ۔

ترجمہ: اس نے کامیابی پائی جس نے اپنے نفس کا تزکیہ کیا اور وہ نامراد ہوا ، جس نے اسکی نیکیوں پر پردہ ڈالا ۔

لغوی اعتبار سے عربی زبان میں "تزکیہ" کسی چیز کو صاف ستھرا بنانے ، اسکو نشو ونما دینے اور اسے پروان چڑھانے کو کہتے ہیں ۔ اصطلاحی معنوں میں "تزکیہ نفس کو غلط رجحانات اور میلانات سے موڑ کر نیکی اور خدا ترسی کے راستے پر ڈال دینا اور اسکو درجہ کمال پر پہنچنے کے لائق بنانا ہے ۔"[3]

قرآن مجید کے مطابق انسان کو ایک بہت بڑے مقصد کے تحت یہاں بھیجا گیا ہے اور انسان کو خلیفتہ اللہ کا مرتبہ ملا ہے چنانچہ اللہ کی بے شمار مخلوقات میں انسان ہی وہ مخلوق ہے جسکو وقتاً فوقتاً اسکی ضروریات کے مطابق پیغمبروں کے ذریعے رہنمائی

---

1 سورہ نازعات ۔ 17 ۔ 18

2 سورہ شمس آیات 9 ۔ 10

3 امین احسن اصلاحی ۔ تزکیہ نفس ص 42 ۔ ناشر ملک برادرز لائلپور

فراہم ہوتی رہی اور صالح نظام زندگی میسر ہوتا رہا ۔ خدا کے ان برگزیدہ رسولوں نے سب سے پہلے اپنی پاک زندگیوں میں اس نظام اور ان صالح اقدار کو اپنایا اور پھر اس نظام کے سانچے میں اپنے پیروکاروں کو ڈھالنے کی انتھک جدو جہد کی ۔ انبیاء جس دور میں بھی آئے ، اور جن حالات اور جغرافیائی حدود میں آئے ، انکی تعلیمات خالص پاکیزگی کے مسلمہ احکام و اصول پر مبنی تھیں ۔

انسانی جسم میں نفس یا روح ایک ایسی شے ہے ، جو انسان کو برائیوں یا اچھائیوں کی طرف لے جا سکتی ہے ۔ قرآن مجید نے نفس کی ایک تعریف یہ بھی کی ہے کہ ان النفس لامارۃ بالسوء بے شک نفس برائیوں کی طرف انسان کو موڑ دیتا ہے ۔

نفس کو اس برائی کے عنصر سے اور برائی کی طرف مرکوز ہونے سے بچانا تزکیہ ہے ۔ تزکیہ کا کام صرف برائی سے باز رکھنا ہی نہیں بلکہ نفس کو قرآن کی اصطلاح میں "نفس مطمئنہ" میں بدل دینا بھی ہے اور اس نفس مطمئنہ کی بدولت انسان ہر حال میں اللہ کا فرمانبردار اور خدا کے بندوں کی نسبت سود مند ثابت ہوتا ہے ۔ نفس مطمئنہ کی وضاحت و صراحت کرتے ہوئے مولانا امین احسن اصلاحی لکھتے ہیں ۔

"نفس مطمئنہ کا مطلب یہ ہے کہ ہمارے علم کی بنیاد ایسے مضبوط یقین پر قایم ہوجائے کہ رنج و راحت اور دکھ سکھ کی کوئی حالت بھی خدا کے بارے میں ہمارے اعتماد اور ہمارے حسن ظن کو بدل نہ سکے ، بلکہ ہر حالت میں ہم خدا سے راضی اور مطمئن رہیں ۔ اسی طرح ہمارے عمل کی بنیاد ایک ایسی مستحکم سیرت پر قائم ہوجائے کہ تنگی و فراخی اور خوف و طمع کی کوئی آزمائش بھی ہم کو اس مقام سے نہ ہٹا سکے ، جہاں اللہ کی شریعت نے ہمیں کھڑا کیا ہے تاکہ اللہ نے ہم سے جو کچھ چاہا ہے ، ہم اسکو پورا کرکے اسکے پسندیدہ بندے بن سکیں ۔ یہی نفس مطمئنہ تزکیہ کا اصل مقصود ہے ۔

45

قرآن میں اس نفس مطمئنہ کا بیان ان الفاظ میں ہوا ہے :

یا ایتھا النفس المطمئنہ ارجعی الیٰ ربک راضیہ مرضیہ

ترجمہ : اے ٹھکانے کے نفس، تو لوٹ اپنے خداوند کی طرف، تو اس سے راضی اور وہ مجھ سے راضی ۔

احادیث کی کتابوں میں ہمیں کہیں بھی لفظ تصوّف دکھائی نہیں دیا ۔ البتہ علماٗ کا اس بات پر اتفاق ہے کہ تصوف جن اعمال و احوال سے مرکب ہے ۔ اس کے لئے حدیث میں "احسان" کا لفظ وارد ہو چکا ہے ۔ عمر رضؓ سے روایت ہے کہ ایک بار ہم رسول اللہؐ کی خدمت عالیہ میں حاضر تھے کہ ایک شخص مجلس میں داخل ہوا جس کے کپڑے نہایت سفید اور بال سیاہ تھے اور اس شخص پر سفر کی کوئی علامت ظاہر نہیں تھی ۔ یہ شخص حضورؐ کے نزدیک بیٹھا اور سوال کرنے لگا ۔ حضرت عمر فرماتے ہیں کہ پہلا سوال اسلام کے بارے میں ۔ دوسرا ایمان کے متعلق اور تیسرا "احسان" کے ضمن میں تھا ۔ عام طور پر احسان کسی سے اچھائی یا خیر خواہی کو کہتے ہیں ۔ لیکن حضور علیہ السلام نے لفظ احسان کی بڑے جامع اور حکیمانہ الفاظ میں یوں وضاحت فرمائی ۔

الاحسان ان تعبد اللہ کانک تراہ ۔ فان لم تکن تراہ فانہ یراک [1]

احسان یہ ہے کہ تم اللہ کی عبادت اسطرح کرو ۔ جیسے تم اسکو دیکھ رہے ہو اگر تم اسکو نہیں دیکھ رہے ہو ۔ تو وہ تم کو دیکھ رہا ہے ۔ یہ شخص چلا بولا ۔ آپ نے سچ فرمایا ۔ صحابہ کرام رضؓ اس سوال کے بارے میں حیران رہ گئے کہ یہ شخص سوال بھی کرتا ہے اور خود ہی اسکی تصدیق بھی ۔ چوتھا سوال جو قیامت کے بارے میں تھا ۔ پوچھنے

---

1 ابو محمد بن اسماعیل البخاری ــ صحیح البخاری

کے بعد سوالی اٹھا اور چلا گیا ۔ حضرت عمر فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ؐ نے میری طرف مخاطب ہوکر فرمایا کہ یا عمر اتدری من السائل ۔ اے عمر کیا تم اس سائل کے بارے میں جانتے ہو ۔ عمر ؓ فرماتے ہیں کہ میں نے کہا اللہ و رسولہ اعلم ۔ خدا اور اسکا رسول زیادہ بہتر جانتا ہے ۔ قال ہٰذا جبریل ، اتاکم یعلمکم دینکم فرمایا یہ حضرت جبریل تھے ، جو تم لوگوں کو تمہارا دین سکھانے آئے تھے ۔ یعنی حضور ؐ کی مجالس میں تمہارے کیا آداب ہوں اور کس قسم کے موضوعات زیر بحث رہنے چاہئیں ۔

مولانا سید ابوالحسن علی ندوی لفظ "احسان" کی تشریح کرتے ہوئے اسے "فقہ باطن" بھی قرار دیتے ہیں ، اور نبی کریم ؐ کو اسکی سب سے عمدہ مثال بیان کرتے ہیں ۔ آپ لکھتے ہیں :

"جب ہم شریعت اسلامی اور رسول اللہ ؐ کے اقوال و احوال پر نظر ڈالتے ہیں ، تو معلوم ہوتا ہے کہ وہ دو حصوں پر منقسم تھے ۔ ایک کا تعلق افعال و حرکات اور امور محسوسہ سے تھا ، مثلاً قیام و قعود ، رکوع و سجود ، تلاوت و تسبیح ، اذکار و ادعیہ ، احکام و مناسک ، فن حدیث نے اسکی روایت اور تدوین کی خدمت انجام دی ، علم فقہ نے اس سے مسائل و جزئیات استخراج کرنے کا بیڑا اٹھایا اور محدثین اور فقہاء امت نے دین کو اسطرح محفوظ کر دیا کہ امت کے لئے اسپر عمل پیرا ہونا آسان ہو گیا ۔ دوسری قسم وہ ہے جس کا تعلق باطنی کیفیات سے ہے ، جو ان افعال و حرکات کے ساتھ لازم و ملزوم ہیں اور جو رسول اللہ ؐ کی زندگی میں قیام و قعود ، رکوع و سجود ، ذکر و دعا وعظ و نصیحت ، گھر کے ماحول ، میدان جہاد غرض ہر جگہ نمایاں نظر آتی ہیں ۔ ان کیفیات کی تعبیر ہم اخلاص و احتساب ، صبر و توکل ، زہد و استغنا ایثار و سخاوت ،

ادب و حیا ، خشوع و خضوع ، انہماک و تضرع دعا کے وقت دل پر شکستگی ، دنیا پر آخرت کو ترجیح ، رضائے الٰہی اور دیدار کا شوق اور اس طرح کی اور دوسری باطنی کیفیات ، اور ایمانی اخلاق سے کر سکتے ہیں ، جن کی حیثیت جسم انسانی میں روح کی اور ظاہر میں باطن کی ہے ـــــ پھر ان عنوانات کے تحت اور بہت سی جزئیات اور آداب و احکام ہیں ، جنھوں نے اسکو ایک مستقل علم اور علیحدہ فقہ کا درجہ دے دیا ہے ، چنانچہ اگر اس علم کو جو اول الذکر کی شرح و تفسیر سے متعلق ہے ، فقہ ظاہر کہا جا سکتا ہے تو وہ علم جو ان کیفیات کی توضیح کرتا اور ان کے حصول کے لئے رہنمائی کرتا ہے ۔ "فقہ باطن" قرار دیا جا سکتا ہے "۔[1]

اکابرین صوفیا کی زندگی ، افعال و احوال اور کیفیات پر جب ہم نظر دوڑاتے ہیں ، تو ہمیں یہی دو اصطلاحیں یعنی تزکیہ و احسان ہر جگہ نمایاں نظر آتی ہیں ۔ صوفیا نے پاکیزگی کی وہ ساری خصوصیات اور اطاعت و عبادت کی جملہ ضروریات نہ صرف اپنائیں تھیں بلکہ اپنی مسلسل بے قراری اور جد و جہد سے اپنے متبعین کو بھی ان صفات و خصوصیات سے آراستہ کیا ، چنانچہ یہ صوفیا کی بے لوث جد و جہد کا ہی نتیجہ تھا کہ لاکھوں بندگان خدا پاکیزگی ، ظاہری و باطنی خوبصورتی ، خیالات میں صفائی کے نمونے بنکر رہ گئے ۔ ملت اسلامیہ میں جو شخصیت صدیوں سے قابل احترام و عزت تسلیم کی جاتی ہے ، اور جن کے روحانی سلسلے میں بے شمار لوگ بیعت ہیں ، وہ شیخ سید عبدالقادر جیلانی رح کی ذات ہے ۔ حضرت شیخ جب بغداد تشریف لائے ، یہ خلیفہ مستظہر باﷲ ابوالعباس (م ۵۱۲ ھ)

---

1 سید ابوالحسن علی ندوی ـــ تزکیہ و احسان یا تصوف و سلوک ـــ ص 15 ـ 16

کا دور خلافت تھا ۔ چنانچہ حضرت شیخ نے اپنی زندگی کے 73 سال بغداد میں گذارے اور اس دوران پانچ خلفاء بالترتیب یعنی مستظہر مسترشد ، راشد ، المقتفی لا مراللہ ، اور المستنجد باللہ حکومتی ذمہ داریاں انجام دیتے رہے ۔ لیکن جناب شیخ رح نے جب بغداد اور اسکے مضافات میں مادہ پرستی ، جاہ طلبی اور احکام شرعیہ سے خلاف ورزی کا عمل آہستہ آہستہ عام ہوتا دیکھا ، تو آپ نے پوری قوت و ہمت اور طاقت و جذبہ اصلاح کے ساتھ تزکیہ نفس ، اصلاح باطن ، دعوت و تربیت کا فریضہ انجام دیا ۔ آپ نے خطبات و مواعظ دلوں پر بجلی کا سا اثر کرتے لئے ایمان و یقین کی چنگاریاں پھوٹنے لگیں ۔ اخلاقی و روحانی اقدار کی ایک نئی دنیا تعمیر ہونے لگی ۔ حضرت شیخ نے لوگوں کو اولاً اسلام کی حقانیت ، دنیا پرستی سے نفرت اور آخرت کی رغبت دلائی ۔ سید عبدالقادر جیلانی نے اپنے مواعظ و خطبات کے ذریعے لوگوں کو راہ حق اختیار کرنے ، اس راہ پر استقامت کا مظاہرہ کرنے ، دنیا کی مادی اشیاء سے کنارہ کشی کرنے ، اپنے قلب و ذہن کو مادیت کے غلبے سے آزاد کرنے اور اسی قبیل کی دیگر خصوصیات اپنانے پر بہت زور دیا ۔ آپ کے الفاظ دلوں کو ایمان کی حرارت اور یقین کی دولت سے مالا مال کرتے تھے ۔ جناب شیخ نے رہبانیت یا گوشہ نشینی کی زندگی بسر کرنے سے ممانعت کی ، لیکن اشیاء دنیا کے حصول میں حزم و احتیاط برتنے کی تاکید کی ہے ۔ ایک موقع پر فرماتے ہیں :

"دنیا ہاتھ میں رکھنی جائز ، جیب میں رکھنی جایز ، اچھی نیت سے اسکو جمع رکھنا جایز ، باقی قلب میں رکھنا جائیز نہیں ، دروازہ پر اسکا کھڑا ہونا جائز ، باقی دروازہ سے آگے گھسنا ناجائز ہے ، نہ تیرے لئے عزت ہے ۔" 1

---

1 حضرت سید عبدالقادر جیلانی ـــــ فتوح الغیب مقالہ نمبر 17 ـــ ص 62

حضرت شیخ اہل تصوف و طریقت ، روحانیت اور پند و نصیحت کے قائل تھے ، جس کے ذریعے انسان بڑی صاف گوئی اور جراتمندی کے ساتھ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ انجام دے سکے ۔ آپ حکام و سلاطین پر سخت تنقید کرتے اور ان کے غلط افعال کی مذمت سے باز نہیں رہتے تھے ۔ حافظ عماد الدین ابن کثیر اپنی تاریخ میں لکھتے ہیں ۔

"کان یامر بالمعروف و ینھٰی عن المنکر للخلفاء والوزراء والسلاطین والقضاۃ والخاصۃ والعامۃ یصدعھم بہ علی رؤس الاشھاد و رؤس المنابر فی المحافل وینکر علی من یولی الظلمۃ ولا تاخذہ فی اللہ لومۃ لائم" [1]

ترجمہ :- آپ خلیفوں وزیروں ، بادشاہوں ، قاضیوں ، عام اور خاص لوگوں کو امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی تاکید کرتے اور ان کو بھرے مجمع میں اور برسر منبر ٹوک دیتے ، جو کسی ظالم کو حاکم بنا دیتا اس پر اعتراض کرتے اور خدا کے معاملے میں کسی ملامت کرنے والے کی آپکو پرواہ نہیں ہوتی ۔

قرآن مجید اور احادیث میں مومنوں کی ایک اہم صفت محبت الٰہی بیان کی گئی ہے ۔ چنانچہ صوفیا کرام کی سیرت کی کتابیں اس محبت کی تمام ترخوبیوں اور کیفیتوں سے بھرپور ہیں ۔

و من الناس من یتخذ من دون اللہ انداداً یحبونھم کحب اللہ والذین اٰمنوا اشد حباً للہ [2]

1 حافظ عماد الدین ـــ قلائد الجواہر ـــ ص 8

2

ترجمہ :-

ایک دوسرے موقع پر فرمایا گیا

تقشعر منہ جلود الذین یخشون ربہم ثم تلین جلودہم و قلوبہم الیٰ ذکر اللہ

ترجمہ :-

سورۃ انفال میں مومن بندوں کی تصویر ان الفاظ میں پیش کی گئی ہے ۔

انما المومنون الذین اذا ذکر اللہ وجلت قلوبہم و اذا تلیت علیہم آیتہ زادتہم ایمانا و علی ربہم یتوکلون

ترجمہ :-

قرآن پاک کی جن آیات کا اوپر حوالہ دیا گیا ۔ صوفیا کے صاحبہ کی زندگیاں ان خصائص و صفات کی آئینہ دار رہی ہیں اور صوفیا اس حدیث کی عملی تشریح کر چکے ہیں ۔ جس میں فرمایا گیا ۔

"تین چیزیں جس شخص میں ہوں ۔ اس نے ایمان کی حلاوت پالی ۔ ان میں سے اول یہ کہ اللہ اور رسول کی محبت اسکو تمام ماسوا سے زیادہ ہو ۔ دوسری یہ کہ اگر کسی آدمی سے اسکو محبت ہو ۔ تو وہ بھی اللہ ہی کے واسطے ہو ۔ اور تیسری یہ کہ ایمان کے بعد کفر کی طرف جانا اسکے لئے اتنا ہی ناگوار اور تکلیف دہ ہو ۔ جتنا کہ آگ میں ڈالا جانا ۔" ۳

---

۳ مولانا منظور نعمانی — تصوف کیا ہے ۔ ص ۵۶ ناشر الفرقان بک ڈپو لکھنو

تصوف کے نظریے اور فلسفے سے غلط اسلام میں چند حضرات نے اختلاف کیا ہے ۔ اور اسکو بدعات کے زمرے میں شامل کر دیا ہے ۔ ان کا خیال ہے کہ یہ لفظ عہد رسالت اور خلافت راشدہ کے زمانے میں مروج نہیں تھا ، اور نہ ہی قرآن و سنت میں براہ راست اس لفظ کا کوئی عندیہ ملتا ہے ، اسلیے یہ دین میں ایک اضافہ ہے فی الاصل اگر اس اختلاف کے اسباب و علل معلوم کیئے جائیں ، تو وہ حقایق ہمارے سامنے کھل کر سامنے آجائیں گے کہ تصوف (جس کا رشتہ ناطہ قرآن و سنت سے منسلک ہے) کی بدنامی کی ذمہ داری ان خرافات و ہفوات پر ہے ، جن کو مٹانے کے لئے قرآن نازل کیا گیا ہے ۔ تصوف کے فلسفہ تزکیہ ، اسکی ایمان آمروز تعلیمات کو سراہتے ہوئے مولانا محمد اویس ندوی لکھتے ہیں : -

"تصوف کی مشہور و متداول کتابیں سامنے رکھیئے ، مثلاً کتاب اللمع ، رسالہ قشیریہ ، عوارف ، فتوح الغیب ، احیاء العلوم مدارج السالکین ، ان کتابوں کے صرف ابواب پر نظر ڈال لیجئے اور فیصلہ کیجئے ، کہ ان کتابوں میں توحید اور اس کے احوال ، اتباع سنت ، عبادات کی خشوع و خضوع کے ساتھ ادائیگی معاملات کی صفائی اور تصفیۂ اخلاق کے سوا کیا ہے ۔"[1]

صوفیاء متقدمین اور متاخرین میں جو قرآنی صفات بدرجہ اتم موجود رہ چکے ہیں ، یہاں پر ان کا ایک مختصر تذکرہ کرنا ضروری محسوس ہوتا ہے ۔ تاکہ تصوف کی اہمیت اور حقیقت مزید واضح ہو جائے ۔

---

1 محمد اویس ندوی ـــــ اقتباس ماخوذ از تصوف کیا ہے ؟ ص ۵۵
ناشر الفرقان بک ڈپو ، لکھنو

پہلی صفت جو تمام صوفیاؒ کے اعمال و احوال کی بنیاد رہ چکی ہے ۔ وہ "اخلاص" ہے ۔ عربی میں اخلاص کسی چیز کو دوسری تمام چیزوں سے جو اسکو مکدر اور خراب کرنے والی ہوں ، پاک و صاف کرنے کو کہتے ہیں ۔ صوفیا اپنے قلب کو غیراللہ کی محبت سے پاک رکھنے پر کافی زور دے چکے ہیں ۔ قرآن مجید کی ایک سورت کا نام بھی "اخلاص" ہے اور "احادیث میں کثرت سے یہ روایات بیان ہوئی ہیں کہ حضورؐ نے مختلف مواقع پر مختلف طریقوں سے لوگوں کو بتایا کہ یہ سورت ایک تہائی قرآن کے برابر ہے ۔۔ مفسرین نے حضورؐ کے اس ارشاد کی بہت سی توجیہات بیان کی ہیں ، مگر ہمارے نزدیک سیدھی اور صاف بات یہ ہے کہ قرآن مجید جس دین کو پیش کرتا ہے ، اسکی بنیاد تین عقیدے ہیں ۔ ایک توحید ، دوسرے رسالت ، تیسرے آخرت ۔ یہ سورت چونکہ خالص توحید کو بیان کرتی ہے ، اس لیے رسول اللہؐ نے اسکو ایک تہائی قرآن کے برابر قرار دیا ۔"[1]

ایک بزرگ ابوعثمان نے اخلاص کی وضاحت کرتے ہوئے کہا ہے ۔

"اخلاص یہ ہے کہ آدمی اپنے تمام اعمال خیر میں ہمیشہ اللہ تعالیٰ
کے فضل پر نظر رکھے اور بھول جائے کہ مخلوق اسکو دیکھ رہی ہے ۔"[2]

صوفیا کی لمبی فہرست میں جس شخصیت کو بہت بڑا مرتبہ حاصل ہے ۔ وہ ہیں حضرت معروف کرخیؒ ۔ وہ اخلاص کو ذریعہ نجات قرار دیتے ہوئے فرماتے ہیں :

"یا نفس اخلصی تخلصی" ۔ اے نفس مخلص بن نجات پائے گا ۔[3]

صوفیاؒ کرام کے نزدیک "توبہ" وہ دوسری اہم صفت ہے جو ہر مقام اور ہر حال میں راہ حق کے متلاشیوں کے لئے نجات کا ذریعہ ہوتا ہے ۔ توبہ کے لغوی معنی "[illegible] دوسرو

---

1 مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی ۔۔ تفہیم القرآن جلد ششم ۔ ص [illegible]
مرکزی مکتبہ اسلامی ، دہلی ۶
2 مولانا عروج قادری ۔۔ اسلامی تصوف ص ۱۲ ناشر مکتبہ اسلامی دہلی ۔
3 مولانا عروج قادری ۔۔ اسلامی تصوف ص ۱۲ ناشر مکتبہ اسلامی دہلی ۔

53

شئے کی رجوع کرنا ہے ۔ اور شرعی اصطلاح میں توبہ کے معنی یہ ہیں کہ بندہ ان تمام چیزوں سے جو شرعاً مذموم ہیں ۔ ان چیزوں کی طرف رجوع کرے جو شرعاً محمود ہیں ۔ قرآن پاک نے توبہ کی اہمیت بیان کرتے ہوئے اسے فلاح کا وسیلہ تصور کیا ہے ۔

" و توبوا الی اللہ جمیعاً ایھا المومنون لعلکم تفلحون " [1]

ترجمہ :

اے مومنو ۔ تم سب مل کر اللہ سے توبہ کرو ۔ توقع ہے کہ فلاح پاؤ گے ۔

ایک دوسرے موقع پر فرمایا گیا

یاایّھاالذّین اٰمنو توبوا الی اللہ توبۃً نصوحا ً [2]

ترجمہ :

اے ایمان والو ۔ اللہ سے توبہ کرو ۔ صاف دل کی توبہ

تیسری صفت جو صوفیاء کرام میں بہت عام اور اہم رہی ہے وہ توکّل علی اللہ ہے ۔ قرآن مجید کی اٹھارہ آیتیں ایسی ہیں ۔ جن میں اللہ پر توکّل کرنے کا صریح حکم دیا گیا ہے ۔ اور پھر آیتوں میں اسکو ایمان کا ایک لازمی جز قرار دیا گیا ۔ امام محمد غزالی رح نے احیاء العلوم جلد چار میں توکل کی وضاحت کرتے فرمایا ہے :

" توکل دین کے منازل میں سے ایک منزل ۔ اصحاب علم و یقین کے مقامات میں ایک مقام ۔ اور مقربین کے بلند درجات میں سے ایک بلند درجہ ہے ۔ " [3]

مذکورہ بالا تین اہم صفات یعنی اخلاص ۔ توبہ اور توکل کے علاوہ صوفیاء کرام کے ہاں فقر ۔ رجاء ۔ حسن خلق ۔ خوف ۔ صبر و شکر ۔ تفکر ۔ مراقبہ ۔ محاسبہ ۔ مجاہدہ ۔ زہد ۔

---

1 سورۂ نور (ع 4)

2

3 امام محمد غزالی ۔ احیاء العلوم ج 4 اقتباس منقول از اسلامی تصوف ۔ ص 151 ۔
مصنف مولانا عروج قادری

54

دعا اور استقامت جیسی خصوصیات اپنی پوری آب و تاب کے ساتھ جھلکتی رہی ہیں ۔ چنانچہ کتب تصوف میں ان خصوصیات کی تفصیلات بھی ملتی ہیں۔ ان صفات و خصوصیات کی بدولت حضرات صوفیانے اپنے اپنے ادوار میں لا تعداد انسانی نفوس کو رشد و ہدایت کی دولت سے بہرہ مند کر دیا ۔ اور نفس پرستی اور جاہ طلبی کی ظلمتوں میں پڑے لوگوں کے دلوں کو اجالوں میں بدل دیا ۔